ماہنامہ
محدث
بنارس

www.mohaddis.org

سرپرست
عبداللہ سعود بن عبدالوحید

مدیر
مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی

معاون مدیر
مولانا عبدالمتین مدنی

عدد مسلسل: ۳۷۳

جلد: ۳۳ ، شمارہ: ۱

ربیع الاول ۱۴۳۶ھ = جنوری ۲۰۱۵ء

بدل اشتراک

- ہندوستان: **150** روپئے
- بیرون ممالک: **40** ڈالر
- فی شمارہ: **15** روپئے

اشتراک کے لیے ڈرافٹ مندرجہ ذیل نام سے بنوائیں

Name: **DAR-UT-TALEEF WAT-TARJAMA**
Bank: **ALLAHABAD BANK**
KAMACHHA, VARANASI
A/cNo.2**1044906358**
IFSC Code: ALLA0210547
SWIFT Code: ALLAINBBVAR

مراسلت کا پتہ

Darut Taleef Wat Tarjama
B.18/1-G, Reori Talab,
Varanasi - 221010

اس شمارہ میں

۱-درس قرآن	عبداللہ سعود بن عبدالوحید	۲
۲-درس حدیث	مولانا عبدالمتین مدنی	۳
۳-افتتاحیہ	مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی	۴
۴-جدید سعودی عرب کے معمار..	مولانا عبدالمتین مدنی	۱۱
۵-جناب جاوید احمد غامدی......	ڈاکٹر محمود حسن الہ آبادی	۱۴
۶-بلد حرام کے فضائل اور......	محمد اسلم مبارک پوری	۲۰
۷-مقاصد شریعت	عبدالاحد احسن جمیل	۲۴
۸-تقوی کی اہمیت وفضیلت	ابوالبیان رفعت سلفی	۳۰
۹-مولانا عبدالسلام رحمانی......	مولانا محمد یونس مدنی	۳۷
۱۰-اخبار جامعہ	ادارہ	۴۴
۱۱-عالم اسلام	ظل الرحمٰن سلفی	۴۵
۱۲-باب الفتاوی	دارالافتاء	۴۶

نوٹ: ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

درس قرآن

یوم آخرت یعنی قیامت اور قرآن مجید

کائنات کی خلقت اللہ کے وجود کی نشانی ہے

عبداللہ سعود بن عبدالوحید

﴿أَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا أَنَّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقاً فَفَتَقْنَاهُمَا وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاء كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ أَفَلَا يُؤْمِنُونَ، وَجَعَلْنَا فِيْ الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَن تَمِيْدَ بِهِمْ وَجَعَلْنَا فِيْهَا فِجَاجاً سُبُلاً لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ، وَجَعَلْنَا السَّمَاء سَقْفاً مَّحْفُوظاً وَهُمْ عَنْ آيَاتِهَا مُعْرِضُونَ، وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَسْبَحُونَ، وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّن قَبْلِكَ الْخُلْدَ أَفَإِن مِّتَّ فَهُمُ الْخَالِدُونَ، كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ وَنَبْلُوكُم بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً وَإِلَيْنَا تُرْجَعُونَ﴾ (سورہ انبیاء: ۳۰-۳۵)

کیا ان لوگوں نے جو انکار کرتے ہیں نہیں دیکھا کہ سب آسمان اور زمین ایک دوسرے سے ملے ہوئے تھے تو ہم نے ان دونوں کو الگ الگ کر دیا۔ اور ہم نے پانی سے ہر چیز میں زندگی عطا کی۔ کیا وہ ایمان نہ لائیں گے؟ اور ہم نے زمین میں کھوٹے (پہاڑ) بنائے کہ ان کو ہلا نہ دے اور اس میں کشادہ راستے بنائے تا کہ یہ راہ پائیں۔ اور ہم نے آسمان کو محفوظ چھت بنایا۔ اس کے باوجود وہ ہماری نشانیوں سے اعراض کر رہے ہیں۔ اور اسی (اللہ) نے رات و دن اور سورج و چاند پیدا کیا۔ سب مدار میں تیر رہے ہیں۔ اور ہم نے آپ سے پہلے کسی انسان کے لیے ہمیشگی عطا نہیں کی۔ پس اگر آپ مر گئے تو کیا وہ لوگ ہمیشہ رہیں گے؟ ہر جاندار کو موت کا مزہ چکھنا ہے اور ہم تم کو شر اور خیر میں آزمائش کے لیے مبتلا کرتے ہیں اور تم ہمارے طرف لوٹائے جاؤ گے۔

انسان کائنات کے گھیرے میں ہے۔ اوپر آسمان، نیچے زمین اور پہاڑ، رات دن کی گردش اور سورج و چاند ہماری ہدایت کے لیے کافی ہونا چاہیے۔ کسی کو ہمیشگی اور دوام حاصل نہ ہوا۔ آپ ﷺ بھی اس دنیا سے چلے گئے۔ آپ کے بعد کون رہے گا؟ ہر نفس کو موت آنی ہے۔ دنیا میں کسی کے لیے خیر و آسائش ہے تو کسی کو تنگی و پریشانی۔ یہ سب اللہ کی طرف سے آزمائش ہے تا کہ ہم اپنے خالق کو یاد رکھیں جس کے پاس ہر ایک کو لوٹ کر جانا ہے۔

کائنات یعنی آسمانوں و زمین کی پیدائش اور افزائش کیسے ہوئی، پھر اللہ نے سورج و چاند پیدا کیا، رات و دن بنائے، سب کی راہ متعین کی کہ ہر ایک اپنے مدار میں گردش کر رہا ہے۔ یہ قرآن مجید کا بیان ہے اور آج سائنس کی تحقیقات بھی قرآن کی حقانیت کا ثبوت ہیں، کیونکہ کائنات کے بارے میں جو بھی معلومات مل رہی ہیں قرآن مجید میں سب کا بیان پہلے سے موجود ہے۔

کیا یہ سب ایمان ویقین کے لیے کافی نہیں ہے کہ اللہ کا فرمان سچ ہے اور قیامت برحق ہے۔ ☆☆☆

درس حدیث

رحمت یا زحمت

مولانا عبدالمتین مدنی

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: إِنَّ مِنَ النَّاسِ مَفَاتِيْحَ لِلْخَيْرِ مَغَالِيْقَ لِلشَّرِّ وَإِنَّ مِنَ النَّاسِ مَفَاتِيْحَ لِلشَّرِّ مَغَالِيْقَ لِلْخَيْرِ فَطُوْبىٰ لِمَنْ جَعَلَ اللّٰهُ مَفَاتِيْحَ الْخَيْرِ عَلىٰ يَدَيْهِ وَوَيْلٌ لِمَنْ جَعَلَ اللّٰهُ مَفَاتِيْحَ الشَّرِّ عَلىٰ يَدَيْهِ. حسن (صحیح وضعیف ابن ماجہ، ح:۲۳۷)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے، انہوں نے کہا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: بیشک لوگوں میں بعض ایسے ہیں جو خیر کو جاری کرنے والے اور شر کو روکنے والے ہیں اور بیشک لوگوں میں بعض ایسے ہیں جو شر کو پھیلانے والے اور خیر کو ختم کرنے والے ہیں تو بشارت ہو اس شخص کے لیے جسے اللہ نے خیر کے نشر واشاعت کا ذریعہ بنایا ہے اور ہلاکت ہو اس شخص کے لیے جسے اللہ نے شر وفساد کو عام کرنے کا ذریعہ بنایا ہے۔ اس حدیث کو امام ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ (السلسلۃ الصحیحۃ:۱۳۳۲)

اللہ تعالیٰ نے انسان کی طبیعتوں کو مختلف بنایا ہے، بعض طبیعتیں نیک اور اچھی ہوتی ہیں اور بعض طبیعتوں میں شر اور خبث ہے۔ طبائع کی حقیقت کردار وعمل سے واضح ہو جاتی ہے، اچھی اور نیک طبیعت کا حامل انسان اپنی گفتار وکردار کے اعتبار سے آئینہ ہوتا ہے۔ اس کا دل اور زبان وعمل سب پاکیزہ ہوتے ہیں، یہی پاکیزگی اس کو خیر کا منبع بنا دیتی ہے۔ دل میں ہمدردی، محبت واحترام، زبان میں مٹھاس وشیرینی اور کردار وعمل، خیر وبھلائی کا جاری چشمہ، گھر کے اندر اور گھر کے باہر، اپنے اور پرائے، دوست اور اگر کوئی از خود دشمن بن جائے تو اس کے لیے بھی وہ اس پھل دار درخت کے مانند ہوتا ہے جو پتھر اچھالنے والے کی گود کو پھل سے بھر دیتا ہے۔

اس کے برخلاف کچھ لوگ اپنی طبیعت کے اعتبار سے خسیس ورذیل ہوتے ہیں، دل میں بغض وعداوت، حسد، کینہ، مکر وفریب کے تانے بانے، زبان کڑوی کسیلی، جھوٹ، گالی گلوج، فحش باتیں، وہ لوگوں کے دل اور اپنی ساکھ دونوں کو مجروح کرتے پھرتے ہیں اور ان کا یہی تیور ان کے ظرف کا ترجمان وتعارف بنتا ہے۔ ایسے لوگوں سے اللہ کی مخلوق پناہ مانگتی ہے۔ اس لیے کہ ان کا وجود سراسر شر وفساد کا باعث ہے۔

انسانی معاشرہ میں ان دونوں طبیعتوں کے لوگ نمایاں ہیں، اگرچہ اچھی طبیعت کے حامل افراد اعداد وشمار کے اعتبار سے کم ہیں اور ستم ظریفی یہ کہ انسانی معاشرہ میں ان کو مقام بھی حاصل نہیں، وہ نظر انداز بلکہ معتوب بھی ہوتے ہیں لیکن وہ ''دور اندیشی'' اور ''مصلحت پسندی'' کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی طبیعت نہیں بدلتے بلکہ صداقت کی سزا پانے اور زمانہ کا ستم جھیلنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ اس کے برخلاف جس کی طبیعت میں شر ہے، اس کی خوب آؤ بھگت ہوتی ہے، اس کا دبدبہ وجلوہ رہتا ہے، وہ اپنے آپ کو فاتح زمانہ سے کم نہیں سمجھتا، اس کی ہر ادا سے کبر ونخوت ٹپکتی ہے، وہ ہر شخص کو اپنے سے کم تر سمجھتا ہے اور

انہیں ذلیل کرنے کا موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا ہے، لیکن یہ سب نظر کا فریب ہے، جس کی مدت بہت مختصر ہے اور اس سے حقائق بھی نہیں بدلتے۔

مذکورہ بالا حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے ان لوگوں کو بشارت دی جسے اللہ نے سراپا خیر و برکت بنایا ہے، جو اپنے اور خلق کے لیے رحمت ہی رحمت ہیں، زبان و عمل دونوں سے اللہ کے بندوں کو فیض پہنچاتے ہیں، ان خوش نصیب افراد کے لیے اچھا بدلہ یعنی جنت کا وعدہ ہے، چاہے دنیا ان کو حقارت کی نظر سے ہی کیوں نہ دیکھے اور جن کی زبان پر کانٹے اور ہاتھ میں خنجر ہے، اگرچہ دنیا ان کو گلوں میں ہار پہنا دے، ان کے راستوں میں پنکھڑیوں کی بارش کردے، اور ان کے جلو میں مدح وستائش کرنے والوں کی ٹولیاں چلتی ہیں، لیکن شر کا انجام شر ہی ہے۔ اس عظیم الشان حدیث کی کتنی عمدہ تشریح علامہ مناوی نے نقل فرمائی ہے: قال الحکیم فالخیر مرضاة الله والشر سخطه فإذا رضي الله عن عبد فعلامة رضاه أن يجعله مفتاحا للخير فإن رؤى ذكر الخير برؤيته وان حضر حضر الخير معه وان نطق نطق بخير وعليه من الله سمات ظاهرة لأنه يتقلب فى الخير بعمل الخير وينطق بخير ويفكر في خير ويضمر خيرا فهو مفتاح الخير حسبما حضر وسبب الخير لكل من صحبه والآخر يتقلب فى شر ويعمل شرا وينطق شرا ويفكر في شر ويضمر شرا فهو مفتاح الشر لذلك فصحبة الأول دواء والثاني داء۔ (فیض القدیر للمناوی:۲/۶۶۹-۶۷۰)

حکیم نے کہا کہ خیر سے مراد اللہ کی رضامندی و پسندیدگی ہے اور شر سے اس کی ناراضگی۔ پس اللہ جب اپنے کسی بندہ سے راضی ہوجاتا ہے تو اسے خیر کا ذریعہ بنا دیتا ہے، جب اسے دیکھا جائے تو اسے دیکھ کر خیر یاد آئے، اگر وہ کسی جگہ حاضر ہو تو اس کے ساتھ خیر بھی آئے، اگر وہ زبان کھولے تو اس کی زبان پر خیر ہی ہو۔ اللہ کی طرف سے اسے نمایاں شناخت دے دی جاتی ہے، اس لیے کہ اس کی ساری سرگرمی خیر پر ہی مشتمل ہوتی ہے، اس کا ہر عمل خیر پر مبنی ہوتا ہے، اس کی ہر بات خیر کی ترجمان ہوتی ہے، اس کی ہر سوچ خیر ہوتی ہے، وہ لوگوں کے لیے خیر کے ہی جذبات اپنے دل میں رکھتا ہے، تو گویا وہ خیر کی ہی کنجی اور ذریعہ ہے، جب اور جہاں وہ حاضر ہو اور ہر وہ شخص جو اس کی صحبت اختیار کرتا ہے، اس سے خیر ہی پاتا ہے۔

دوسرا شخص شر میں گردش کرتا ہے، اس کے ہر عمل سے شر، اس کی ہر گفتار شر، اس کی فکر میں شر اور اس کا باطن بھی شر کو چھپائے رہتا ہے۔

گویا وہ شر کی کنجی ہے، اس لیے پہلے قسم کے لوگوں کی صحبت خیر وصلاح کا باعث اور دوسرے قسم کے لوگوں کی صحبت شر وفساد کا ذریعہ ہے۔

کاش کہ اس حدیث نبوی کی روشنی میں ہم اپنا جائزہ لیتے، اپنے عمل کی اصلاح کرتے، جو لوگ خیر پسند اور اسے فروغ دینے والے ہیں معاشرہ کی قیادت ان کے حوالے کردیتے، تاکہ انسانی معاشرہ گلدستہ کے مانند خوبصورت، گداز اور معطر ہوجاتا۔ اور جو شر پسند اور شر کی تجارت کرنے والے لوگ ہیں ان کے لیے اس معاشرہ میں کوئی مقام نہ ہوتا بلکہ معاشرہ کے شانہ بشانہ چلنے کے لیے وہ بھی اپنی طبیعت کے بدلنے پر مجبور ہوجاتے۔

☆☆☆

افتتاحیہ

شارلی ہیبڈو اور آزادیٔ رائے

۷/جنوری ۲۰۱۵ء بروز بدھ یوروپ کے ایک بڑے ملک فرانس کی راجدھانی پیرس میں چند حملہ آوروں نے ایک فکاہیہ اور طنزیہ میگزین شارلی ہیبڈو کے آفس پر حملہ کیا اور میگزین سے متعلق بارہ لوگوں کو مار ڈالا۔ مرنے والوں میں میگزین کا ایڈیٹر اور متعدد کارٹونسٹ شامل تھے۔ دو دن کی مشقت کے بعد ۹/جنوری کو پولیس نے حملہ آوروں کو مضافات میں گھیر کر مار ڈالا۔

مذکورہ میگزین اپنے کارٹونوں اور خاکوں کے ذریعہ مسلسل ناموس رسالت ﷺ کی شان میں گستاخیاں کر رہا تھا اور آزادی رائے کے نام پر پوری دنیا کے مسلمانوں کی دل آزاری میں مصروف تھا۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ فرانس حکومت اس واقعے سے سبق لیتی اور اظہار آزادی کے حدود طے کرنے پر غور کرتی، اس کے برعکس اس نے حملہ آور مجرمین کی دھڑ پکڑ کو کسی فلم کی شوٹنگ کی طرح لائیو ٹیلی کاسٹ کیا اور دنیا کو اس انداز میں دکھایا جیسے کوئی صلیبی جنگ کا منظر ہے۔ اس واقعہ کے بعد خود ساختہ آزادیٔ رائے کے حق اور مذکورہ میگزین کی حمایت میں یکجہتی مارچ نکالا گیا، جس میں چوالیس مسلم ممالک کے سربراہان نے شرکت کی۔ شارلی ہیبڈو کے عملہ نے حکومت کی سرپرستی میں گستاخانہ اور توہین آمیز خاکوں کی دوبارہ زبردست اشاعت کی اور میگزین کی تین ملین سے زائد کاپیاں چھاپ کر مسلمانوں کو یہ پیغام دیا کہ مذہب اسلام اور ناموس رسالت کی اہانت ہمارا پیدائشی حق ہے۔

ان کے اس عمل پر پوری دنیا کے ممالک میں مسلمانوں نے تاریخ ساز اجتماعات کئے اور احتجاج کے ذریعہ اہل یوروپ کو یہ بتلا دیا کہ اپنے نبی کی اہانت ہمیں کسی صورت میں برداشت نہیں ہے۔ ہندوستان، پاکستان، سعودی عرب، افغانستان، ایران، مصر، ترکی اور الجزائر میں احتجاجی مظاہروں کے سلسلے شروع ہوگئے۔ چیچنیا کی دارالحکومت گروزنی میں سب سے بڑا احتجاجی جلوس نکالا گیا، جس میں آٹھ لاکھ سے زائد افراد نے شرکت کی۔ ترکی کے صدر طیب اردگان کا سخت مذمتی بیان سامنے آیا، جس میں انہوں نے مغرب کو متنبہ کیا ہے رسول اللہ کی شان میں گستاخی کسی صورت میں برداشت نہیں کی جائے گی۔

پیرس نے پورے یوروپ میں مسلمانوں کے خلاف نفرت کا ماحول پیدا کر دیا اور انتقامی کارروائیوں کا لامتناہی سلسلہ شروع ہوگیا۔ فرانس میں سیکڑوں مسلمانوں کو حراست میں لے لیا گیا۔ بلجیم میں دو مسلمانوں کو شہید کر دیا گیا۔ سارے یوروپ خصوصا فرانس کے مسلمان سہمے ہوئے ہیں کہ نہ جانے کن انتقامی کارروائیوں کا انہیں نشانہ بنایا جائے۔ امریکہ میں دو مسلم طالبات اور ایک مسلم طالب علم کو ایک سرپھرے اسلام دشمن نے گولیوں سے بھون دیا۔ شارلی ہیبڈو کے سانحے کے ذریعہ سماجی اور مذہبی بندشوں سے مادر و پدر آزاد بے لگام آزادیٔ رائے کے دیوانے ساری دنیا کی ہمدردی بٹورنے میں مصروف تھے۔ اسی درمیان عیسائیوں کے روحانی پیشوا نے اپنے بیان کے ذریعہ سارے یوروپ کو حیران کر دیا۔ انہوں نے کہا میں ہمیشہ سے

آزادیٔ رائے کا حامی ہوں لیکن اس کے کچھ حدود ہونا چاہیے۔ اگر آپ میری ماں کی شان میں گستاخی کریں گے تو آپ کو میرا مکا کھانے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ ان کے بیان سے کچھ عیسائی ناراض بھی ہوئے۔ برطانیہ کے وزیر اعظم ڈیوڈ کیمرون نے یہ کہہ کر اسے یکسر مسترد کر دیا کہ میں پوپ کے بیان سے متفق نہیں ہوں۔ مغربی میڈیا اور اہل یوروپ کی پوری کوشش ہے کہ مغربی دنیا اور اسلام میں تصادم پیدا کر کے اس کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کو کم کیا جائے۔

انہوں نے اس واقعہ کو لائیو ٹیلی کاسٹ کر کے حملہ آوروں کے جرم کو اس قدر بڑھا دیا، جس کے تلے شارلی ہیبڈو کا جرم دب گیا، جب ان کی حوصلہ افزائی کرنے والے لاکھوں ہاتھ بڑھے تو شارلی ہیبڈو کے عملہ کو اپنے کیے پر شرمندگی کیوں ہوتی۔

یہ تھا پیرس میں پیش آئے شارلی ہیبڈو کے واقعہ کا سینار یو۔ بادی النظر میں یہی دکھائی دیتا ہے کہ چند اشخاص شارلی ہیبڈو میگزین کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ کی مسلسل تضحیک کر رہے تھے، چند غیرت مند مسلمانوں نے ان کو ان کے کیے کی سزا دے دی، پھر حملہ آوروں کو مار ڈالا گیا۔ یہ بھی نہ پتہ چل پایا یہ کام ان لوگوں کا انفرادی تھا یا مسلم سماج کا تھا یا کسی تنظیم نے انہیں استعمال کیا۔ اس پر روشنی ڈالنے کے لیے کوئی نہیں رہ گیا۔

حقیقت میں یہ واقعہ کوئی عام اور سیدھا سادہ واقعہ نہیں ہے، اسے سمجھنے کے لیے مغرب کے تین سو سالہ تاریخ کو کھنگالنا ہوگا۔ اس کے پس منظر کی گہرائی میں جا کر ہمیں ان کی تہذیبی اور سماجی و سیاسی سرگرمیوں کا تجزیہ کرنا ہوگا اور واقعہ کی جڑوں کو کھودنا ہوگا تب ہی اس واقعہ کا سچ ہمارے سامنے آئے گا۔

مارے گئے تینوں حملہ آوروں میں دو کا تعلق الجیریا اور تیسرے کا تعلق سینیگال سے تھا۔ شمالی افریقہ اور مذکورہ ممالک کئی صدیوں تک فرانس کے سامراجیہ تھے۔ اس سامراجیہ کو قابو میں کرنے کا ذریعہ تشدد تھا۔ یہ ممالک صدیوں تک فرانس کے مظالم کی چکی میں پستے رہے۔ فرانس میں ۱۷۸۹ء کے انقلاب کے بعد بھی ان میں کوئی تبدیلی نہیں۔ ان ملکوں کو آزادی ملی، لیکن اس کے لیے انہیں لاکھوں جانیں قربان کرنا پڑیں۔ آزادی دینے کے بعد بھی فرانس نے اپنے مستعمرات سے ناطہ نہیں توڑا، اپنے مفادات کے لیے وہ ہمیشہ ان سے رشتہ قائم رکھا تھا۔ آزادی رائے کی کشش دیگر ممالک کے دانشوروں تک کو فرانس کھینچ لاتی تھی۔ یہیں جمال الدین افغانی، محمد عبدہ اور خمینی نے اپنی سرگرمیوں کا آغاز کیا۔ فرانس میں مسلمانوں کی ایک بڑی آبادی ہے مگر جمہوریت کے فیض سے وہ محروم ہیں۔ دیگر ممالک میں مسلم اقلیتوں کا جو حال ہے وہی فرانس میں ہے۔ غریب دبے کچلے ہوئے نشوں کے عادی گھنی بستیوں میں رہنے والے جو ضرورت پڑنے پر جرائم بھی کر گذرتے ہیں، ایسے لوگوں کو ورغلانا بہکانا کسی بھی تنظیم کے لیے بڑا آسان کام ہے۔ حملہ آور ختم ہو چکے ہیں، ان کی حقیقت مٹی میں دفن ہوگئی، اب تو صرف قیاس آرائی ہی کی جا سکتی ہے، ممکن ہے کہ ان کی غیرت ایمانی نے ان سے یہ کام کروایا ہو یا وہ اسرائیل اور امریکہ ایجنٹ تھے، جو بھی ہو اسلام سے ان کا تعلق جوڑنا غیر منطقی ہوگا۔ اڑتے پڑتے یہ خبر ملی ہے کہ شارلی پر حملہ امریکی اور اسرائیلی ایجنسیوں کی مشترکہ کارروائی ہے، جس کا اعتراف فرانس کی سیاسی جماعت فرنٹ نیشنل پارٹی کے سابق سربراہ جین میری لی پین نے بھی کیا ہے۔

اس سازش کا مقصد اسلام اور مغرب کے درمیان خلیج پیدا کر کے دنیا کو جنگ کی طرف ڈھکیلنا ہے۔

یوروپ میں اسلام کی پھیلتی ہوئی مقبولیت اور تارکین وطن نے اہل یورپ کو تشویش میں مبتلا کر دیا ہے۔ انہیں یہ قطعاً منظور نہیں ہے کہ اسلام ان کے نظریات کو ختم کردے، ان کی الحادی فکر پاش پاش کر دے اور آزادیٔ رائے کا ایک معتدل نظام قائم کرے۔ ۹/۱۱ کے بعد اس قسم کے واقعات سے یہ بتلانا مقصود ہوتا ہے کہ یورپین سوسائٹیز سے مسلم ہم آہنگ نہیں ہو سکتے ہیں اور نہ مغربیوں کے کلچر کے سامنے سرنگوں ہو سکتے ہیں۔ نفرت کی آگ بھڑکا کر اسلام کی مقبولیت کو کم کرنا اور یورپین مسلمانوں کو ہراساں کرنا چاہتے ہیں۔

یورپین دانشور اور فلسفی دو سو سال سے ایسے افکار ونظریات کی اشاعت میں مصروف ہیں جن کی بنیاد نسلی برتری پر ہے۔ وہ یورپ کو ایک قلعہ بنانا چاہتے ہیں، وہ کسی غیر ملکی کو اپنے ملک میں اسی صورت میں برداشت کرتے ہیں جب وہ ان کا غلام بن جائے، انہیں نظریات نے پہلی اور دوسری جنگ عظیم کا درد دیا، یورپین سماج کی یہ ناہمواری ان میں خلیج پیدا کر رہی اور تشدد کو بڑھاوا دے رہی ہے۔

امریکہ اور یورپ نے ہمیشہ دوہری یا متضاد پالیسی اپنائی۔ ایک طرف امن، انسان کے بنیادی حقوق، حقوق نسواں اور آزادیٔ رائے کو جمہوریت کے جھنڈے تلے جمع کیا۔ ان اقدار کی حفاظت کو سب سے مقدم رکھا۔ جمہوریت کے انہیں عناصر کی کشش نے اسے پوری دنیا میں مقبول عام بنایا۔ یہ یوروپ اور امریکہ کا ظاہری چہرہ تھا۔ دوسرا چہرہ ہے جو ہر قسم کے تشدد کا آئینہ دار ہے۔ افغانستان، عراق کو تباہ کرتے وقت وہ سارے حقوق بھول جاتا ہے۔ ڈرون کے حملوں سے ہزاروں بے قصور کو پل بھر میں ختم کرتا ہے، خود اپنے ملکوں کی جیلوں میں محبوس قیدیوں پر ظلم کا پہاڑ توڑتا ہے اور اپنے اس عمل میں خود کو حق بجانب سمجھتا ہے۔

فرانس اور امریکہ کی جمہوریت میں مسلسل مسابقہ آرائی رہتی ہے، فرانس کی جمہوریت پر الحادی فکر غالب ہے جب کہ امریکہ پر عیسائیت اور یہودیت کا غلبہ۔ اسی لیے دل آزادی کے واقعات یوروپ کی بہ نسبت امریکہ میں کم ملتے ہیں۔ فرانس تمام تضادات کو ساتھ لے کر چلتا ہے۔ اس کے دل میں مسلمانوں کے لیے نرم گوشے بھی ہیں، وہ فلسطین کو تسلیم کر لیتا ہے، افریقی ممالک اور عربوں سے تعلقات رکھتا ہے، فرانس آزادیٔ رائے کا منبع ہے۔ یہاں آزادیٔ رائے کا کوئی اخلاقی مفہوم نہیں۔ عجیب بات ہے آزادیٔ رائے کے ان متوالوں کا سب سے بڑا ہدف صرف سامی مذاہب یعنی یہودیت، عیسائیت اور اسلام ہے۔ اینٹی سامی ریلیجیں تحریک سو سال سے جاری ہے۔ ان کا مقصد ہر ناحیہ سے مذاہب، خدا اور انبیاء کرام کا مذاق اڑانا ہے۔ اسلام کی مخالفت ان کے یہاں پہلے نمبر پر ہے۔ شارلی ہیڈو کا عملہ انہیں ملحدین پر مشتمل تھا۔ فرانس آزادیٔ رائے کا مرکز اور کلچر ہوتے ہوئے بھی آزادی کے دوہرے پیمانے اپناتا ہے۔ ایک طرف وہ کارٹونوں کے ذریعہ رسول اکرم ﷺ کی تضحیک کو روا رکھتا ہے، دوسری طرف فلسطین کی حمایت کے لیے مسلمان جلوس نکالتے ہیں تو انہیں روک دیا جاتا ہے۔ مسلم خواتین کو حجاب

استعمال کرنے کی آزادی سے فرانس محروم کردیتا ہے اوران کے خلاف قانون بناتا ہے۔

جدید سرمایہ داری کے فروغ کے لیے تشدد لازمی ہے۔تجارت میں سب سے بڑی تجارت ہتھیاروں کی ہے۔ اہل یوروپ خصوصا فرانس وبرطانیہ ہتھیاروں کے بڑے سوداگر ہیں،ان ہتھیاروں کی نکاسی کے لیے منڈی چاہیے اورمنڈی ایسے علاقے ہی میں بن سکتی ہے جوتشدد کا مرکز ہو۔یہ تشدد خودنہیں آتا ہے بلکہ بڑی باریک بینی سے اس کے لیے منصوبے بنائے جاتے ہیں۔دوعالمی جنگوں میں زبردست نقصان اٹھانے کے بعداہل یوروپ نے تشدد کے مراکز ہی کوتبدیل کردیا ہے۔تشدد کے ان مراکز کوختم کرنے کے پلان بھی یہی ملک بناتے ہیں،حملہ بھی کرتے ہیں،مگرانہیں ختم نہیں کرنا چاہتے،ان کی عداوت کی داد دیجئے،وہی داعش جس کی مذمت کرتے یہ تھکتے نہیں بچولیوں کے ذریعہ انہیں سے سستے داموں تیل خریدتے ہیں اورہتھیار فروخت کرتے ہیں۔

ایک لبنانی کارٹونسٹ کارل(Karl Sharro) کہتا ہے:

Ultimately the violecne against Charlie Hebado is not about Islam per se this about a contemparary system that is particularly adept at grinding down whatever deucent values exist in Islam and other faith systems. (and Libral Capitalism as well).

رنگ پیرہن

بی جے پی کو برسراقتدار آئے ہوئے نوماہ گذر چکے ہیں۔اس درمیان نریندرمودی نے عوام کو بڑے سہانے خواب دکھائے۔ترقی کے آسمان سے ستاروں کوتوڑ لانے کا وعدہ کیا۔ایک سوپچیس کروڑ ہندوستانی عوام کوساتھ لے کر چلنے کی بات کی۔بیرونی ممالک سے نقدسیاہ واپس لانے کا عہد کیا۔میک ان انڈیا کا نعرہ لگایا۔نوماہ کے بعدان کی گھن گرج مدھم پڑتی جارہی ہے،جوش وولولہ سرد پڑتا دکھائی دے رہا ہے۔وہ شجر جمہوریت کی آبیاری کیا کرتے،ان کے عہد میں جمہوریت کا وجود ہی خطرے میں پڑتا دکھائی دے رہا ہے۔

مودی وزارت عظمی کی کرسی پر بیٹھے توان کے سامنے دوراستے تھے یا تو ماضی سے اپنا دامن چھڑا کر جمہوریت کے جھنڈے کواپنے ہاتھوں میں لے لیتے اوراس کی اقدار کے تحفظ میں جی جان سے لگ جاتے،لیکن اس طرح انہیں اپنے سرپرست سے ناراضگی مول لینی پڑتی،جس نے انہیں اس منصب تک پہنچانے میں پورازور لگا دیا تھا۔آرایس ایس اوراس کی تمام ذیلی تنظیموں نے مودی سے یہی آس لگائی تھی کہ وہ ہندوستان کو ہندوراشٹر بنانے میں اپنا کردارادا کریں گے۔موہن بھاگوت نے آٹھ سوسال قبل کے مفروضہ ماضی واپس لانے کی بات کی۔زعفرانی تنظیموں نے خوشیوں کے ترانے گائے کہ اب ہندوتو کے ایجنڈوں کوعملی جامہ پہنانے کا وقت آگیا ہے۔ایسا لگتا ہے کہ بی جے پی اوراس کی حلیف تنظیمیں بڑی جلدی میں

ہیں اور اسی پانچ سال میں سارے منصوبے پورا کر لینا چاہتی ہیں۔

دراصل بی جے پی دو متضاد چیزوں کو اکٹھا کرنا چاہتی ہے۔ایک طرف وہ ترقی کے ڈھول پیٹ کر نیولبرزم کے وسیلے سے ترقی یافتہ ممالک سے پینگیں بڑھانا چاہتی ہے۔دوسری طرف خود اپنے ملک میں تشدد،عصبیت ومنافرت کی فضا پیدا کر کے اپنے پرانے خوابوں کو شرمندۂ تعبیر چاہتی ہے۔اس کے لیے بی جے پی کے سادھوی، سادھو، سنت مہراج اور یوگی اپنا اپنا محاذ سنبھال چکے ہیں۔اقلیتوں خصوصا مسلمانوں کو نشانہ بنا رہے ہیں۔شدھی کرن کی تحریک کو دوبارہ زندہ کیا جارہا ہے اور اسے گھر واپسی کا نعرہ دیا گیا۔ ہندو عورتوں کو چالیس بچے پیدا کرنے کا مشورہ دیا جارہا ہے۔ بی جے پی اور آر ایس ایس کے کارکن اور نیتاؤں نے اقلیتوں کے خلاف جو جارحانہ روش اختیار کی ہے، اس نے مسلمانوں، عیسائیوں کی نیند حرام کردی ہے، دانش ور طبقہ حیران وپریشان ہے کہ ہماری جمہوریت کون سا رخ اختیار کررہی ہے۔درماندہ حزب مخالف کے تمام تر احتجاج کے باوجود بی جے پی اپنے نیتاؤں کی لگام نہیں کس سکی۔مودی کی مسلسل خاموشی نے پورے ملک کو مضطرب کردیا ہے۔دریدہ ذہنی اس حد تک بڑھ گئی ہے کہ ہمارا جمہوری آئین بھی ان کی تنقید سے محفوظ نہیں ہے۔وزارت اطلاعات ونشریات کے ایک اشتہار میں نادانستہ طور پر سوشلسٹ اور سیکولر الفاظ حذف ہوگئے۔وزارت نے اپنی غلطی تسلیم کرلی۔وزیر قانون نے یہ کہہ کر تنازع پیدا کردیا کہ مذکورہ الفاظ نکال دینے سے اس معاملے پر دوبارہ بحث کرنے کا موقع مل گیا ہے۔یہ واضح رہے کہ ۱۹۷۶ء میں اندرا گاندھی نے آئین کی تمہید میں ان الفاظ کو شامل کیا تھا اور اب یہ آئین کا جز بن گئے ہیں۔اس سے حکمراں پارٹی کی نیتوں کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

اوبامہ کا انتباہ:

یوم جمہوریہ کے موقع پر دنیا کی سب سے بڑی طاقت امریکہ کے صدر اوبامہ کی آمد پر برسراقتدار پارٹی نے ان کی ایسی عظیم الشان ضیافت کی جسے وہ فراموش نہیں کرپائیں گے۔نریندر مودی اوبامہ کے سامنے بچھے جارہے تھے۔ایسا محسوس ہوا کہ امریکہ اور بھارت کی دوستی ایک نئی تاریخ رقم کرے گی۔ نیوکلیر معاملات میں زبردست پیش رفت ہوئی جو بھارت کے حق میں مضر ہوگی یا مفید،اس کا فیصلہ مستقبل کرے گا،تجارتی، اقتصادی اور دفاعی معاہدے ہوئے۔

بھارت جمہوریت کے علم بردار ممالک میں ایک اہم مقام رکھتا ہے۔اس کی سیاسی ہلچلوں پر ساری دنیا کی نگاہیں لگی رہتی ہیں۔بات اگر صرف مسلم اقلیت کے استیصال تک محدود رہتی تو شاید براک اوبامہ کے لب وا نہ ہوتے مگر جب زعفرانی تنظیموں نے عیسائی اقلیت اور ان کی عبادت گاہوں کو بھی ہدف بنانا شروع کردیا تو یوروپ اور امریکہ میں کھلبلی مچنا فطری بات ہے۔اوبامہ جاتے جاتے دبی زبان سے کہہ گئے کہ بھارت کی ترقی کی شناخت اس کی رواداری میں پنہاں ہے۔انہوں نے یہ بیان بہت غور وفکر اور اقلیت کے خلاف شر پسند تنظیموں کے جارحانہ انداز اور حکومت کی مصلحت آمیز خاموشی کے بارے میں مکمل اطلاعات کے بعد دیا۔وزیر اعظم اور بھاجپا کے لیڈروں نے اوبامہ کے اس بیان پر نہ کوئی احتجاج کیا اور نہ اپنا کوئی ردعمل ظاہر کیا۔صرف ارون جیٹلی نے کسی سوال کے جواب میں کہا کہ اکا دکا واقعات کی وجہ سے ہندوستان میں رواداری کی طویل

تاریخ کو بھلایا نہیں جاسکتا ہے۔ اباما ۲۷؍جنوری کو واپس لوٹ گئے ۔ پانچ فروری کو ایک دعائیہ فطور صباحی میں انہوں نے بھارت کے دورہ کے بارے میں اپنے تاثرات کا ذکر کیا اور گاندھی جی کے حوالہ سے پھر اپنی بات کو دہرایا کہ گاندھی جی زندہ ہوتے تو اس عدم رواداری کو دیکھ کر انہیں سخت صدمہ پہنچتا۔ امریکی اخبارات نے بھی اس مسئلے پر مودی کی خاموشی کا نوٹس لیا۔

براک اوبامہ کے اس بیان میں بھارت کے لیے یہ پیغام بھی پنہاں ہے کہ امریکہ کی دوستی حاصل کرنے کے لیے برسر اقتدار حکومت کو اس رواداری کی شاہراہ سے گزرنا ہوگا جو ہندوستان کے جمہوری آئین اور تاریخی روایات کا طرۂ امتیاز ہے۔

دلی میں کیجری وال کی سنامی لہر:

مودی لہر نے ۲۰۱۴ء کا پارلیمانی الکشن جیت کر سیکولر اور سوشلسٹ پارٹیوں کو حاشیہ پر ڈال دیا تھا۔ مودی نے عوام سے وعدوں کی جھڑی لگادی۔ اس کے بعد جھارکھنڈ، چھتیس گڑھ، ہریانہ، جموں کشمیر اور مہاراشٹر کے انتخابات میں بی جے پی نے جو کامیابی حاصل کی، اس نے پورے بھگوا خیمے میں نشہ غرور کو دوآتشہ کردیا۔

دلی کے الکشن میں بھی بھاجپا اسی کامیابی کو دہرانا چاہتی تھی۔ مودی اور امت شاہ نے اپنے قدیمی انداز میں ریلیاں کیں۔ بھاجپا نے دلی کی فتح کو مودی کے وقار کا مسئلہ بنادیا، مگر یہاں بھاجپا اوندھے منہ گری۔ کیجریوال کو تاریخ ساز کامیابی ملی۔ کانگریس اسٹیج سے غائب ہوگئی۔ ۷۰ نشستوں میں سے بھاجپا کو صرف تین نشستیں ملیں۔

سیاسی تجزیہ نگار بھاجپا کی اس شرمناک شکست کو بھاجپا کے خلاف عوامی ریفرنڈم قرار دے رہے ہیں۔ میرے خیال میں دلی کے الکشن کو لوک سبھا کے الکشن پر قیاس نہیں کیا جاسکتا ہے۔ دلی کا ایک علاحدہ سیاسی ماحول ہے۔ یہ نقل مکانی کا مرکز ہے، جہاں ہر مکتب فکر اور ہر طبقہ کے لوگ آباد ہیں۔ ان کے اپنے بنیادی مسائل ہیں جو ان کی زندگی میں سب سے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔ گذشتہ الکشن کے بعد کیجریوال نے ۴۹ دن کی حکومت میں انہیں مسائل کی طرف اپنی توجہ مرکوز کی۔ جب کہ بھاجپا کی مرکزی حکومت نے کوئی ایسا بڑا کارنامہ انجام نہیں دیا جس سے دلی کے لوگ متاثر ہوتے۔ بہرحال بھاجپا حکومت کے لیے یہ ایک بڑا سبق ہے۔ اگر وہ رواداری کی سیاست اور جمہوریت کے تحفظ کے بجائے ہندتو کے ایجنڈوں کو عملی جامہ پہنانے میں اپنی قوت صرف کرتی رہی تو شاید اسے دوسری اننگ کھیلنے کا موقع نہ ملے۔

☆☆☆

اعتذار

چند موانع کی وجہ سے کئی ماہ سے محدث وقت پر آپ کے ہاتھوں میں نہیں پہنچ رہا ہے، جس کے لیے میں اور میرے رفقا معذرت خواہ ہیں، ہم انتھک کوشش کررہے ہیں، اگلے دو ماہ کے اندر وقت پر آپ کو محدث ملے سکے۔

وفیات

جدید سعودی عرب کے معمار
خادم الحرمین الشریفین شاہ عبداللہ بن عبدالعزیز کی رحلت

مولانا عبدالمتین مدنی

خادم الحرمین الشریفین شاہ عبداللہ بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سعودی عرب کے سرکاری نشریہ کے مطابق جمعہ کی شب ۲۳/جنوری ۲۰۱۵ء بوقت ا/بجے اس دارفانی کوالوداع کہتے ہوئے اپنے مالک حقیقی سے جاملے۔

موصوف سعودی عرب کے ہردلعزیز حکمراں ہونے کے ساتھ ساتھ عالم اسلام کے سب سے باوقار قائد، مدبر رہنما اور مشفق سربراہ مملکت تھے۔ فلسطین، سیریا، عراق، یمن، پاکستان اور بالخصوص مصر جس سیاسی بحران سے دوچار رہا اور اس کے نتیجہ میں بے قصور افراد مشق ستم بنے، ان کی مدد جس فیاضی کے ساتھ آپ نے کی اسے کون فراموش کرسکتا ہے۔ عالم اسلام کے علاوہ بعض وہ ممالک جو بسا اوقات قدرتی آفات ومصائب کے شکار ہوئے، ان کی بھی آپ نے دل کھول کر مدد کی، آپ کے ان کارناموں کا اعتراف پوری دنیا نے کیا اور آپ کو ملک الانسانیۃ (انسانیت کا مسیحا) کا خطاب دیا گیا۔

آپ کا دور اقتدار بلاشبہ کئی اعتبار سے جدید سعودی عرب کی تاریخ کا سب سے زریں دور ہے، حرمین شریفین کی تاریخ میں اس کی سب سے عظیم الشان توسیع آپ کا سب سے عظیم کارنامہ ہے، اسی طرح حجاج کرام کی سہولت کے لیے کئی بڑے پروجیکٹ مشاعر حج میں بھی زیر عمل آئے اور بعض ابھی تکمیل کے مرحلہ سے گذر رہے ہیں۔ اسلام کی دعوت وتبلیغ کے لیے متعدد اداروں کا قیام، ان کی سرپرستی، حوصلہ افزائی اور تعاون بھی آپ کا عظیم ترین کارنامہ ہے۔ وزارت امور اسلامی، ہیئۃ الأمر بالمعروف والنہی عن المنکر، دارالافتاء، ملک فہد قرآن پرنٹنگ پریس، رابطہ عالم اسلامی جیسے اداروں کے ذریعہ پوری دنیا میں دعوت وتبلیغ کا نٹ ورک قائم کردیا، صرف سعودی عرب کے اندر برسر روزگار غیر عرب افراد کے لیے ۳۰۰ سے زائد مراکز قائم ہیں، جن سے استفادہ کرنے والوں کی تعداد لاکھوں میں ہے۔ یہ مراکز ریاض، مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، القصیم، عسیر، تبوک الشرقیہ، حائل، الباحۃ، حدود شمالیہ، جرف، جازان، نجران اوران کے قرب وجوار کی بستیوں میں قائم ہیں، جہاں متعدد زبانوں کے ماہرین دعاۃ بحسن وخوبی فریضۂ دعوت انجام دے رہے ہیں، چند سال پیشتر کی ایک رپورٹ کے مطابق ان مراکز کے علاوہ سعودی عرب کے اندر مرکز الدعوۃ کے نام سے ۳۰ مکاتب اور سعودی عرب کے باہر سعودی سفارت خانے کے زیر نگرانی ۲۹ مکاتب قائم ہیں۔

اعلی تعلیم کے حصول کے لیے حکومت سعودی عرب سرکاری خرچ پر جن نوجوانوں کو بیرون ملک بھیجتی ہے دعوت کے میدان میں ان کے کارنامے بھی لائق ستائش ہے۔

شاہ عبداللہ رحمہ اللہ نے عالمی سطح پر مذاہب وثقافتوں کے درمیان ٹکراؤ کو ختم کرنے اور افہام وتفہیم کا ماحول پیدا کرنے کے لیے ایک بین الاقوامی ادارہ ''مرکز الملک عبداللہ العالمی للحوار بین أتباع الأدیان والثقافات'' کے نام سے قائم کیا، ادارہ دنیا

کے متعدد ممالک میں کانفرنسوں اور سیمیناروں کے ذریعہ اپنی خدمات انجام دے رہا ہے اور اس کوشش کو پوری دنیا میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، تعلیم کے میدان میں سعودی عرب کی ترقی نے دنیا کے بہت سارے ممالک کو پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ عالم اسلام کی سب سے بڑی سائنس ٹیکنیکل یونیورسٹی (King Abdullah University of Science and Technology) اور خواتین کے لیے دنیا کی سب سے بڑی مخصوص یونیورسٹی آپ کے دور حکومت میں ہی قائم کی گئی ہے۔

عالمی کساد بازاری کا مقابلہ کرنے اور اس کے نقصان سے سعودی عرب کو محفوظ رکھنے نیز سعودی نوجوانوں کو روزگار سے جوڑنے کے لیے بھی شاہ عبداللہ نے کئی اصلاحی اقدامات کئے جن پر عمل تاہنوز جاری ہے اور امید کی جاتی ہے کہ یہ اقدامات سعودی عرب کی اقتصادی ترقی کے لیے سنگ میل ثابت ہوں گے۔

شاہ عبداللہ رحمہ اللہ کو اپنے دور حکومت میں بعض بغاوتوں اور دہشت گردانہ کارروائیوں کا بھی سامنا کرنا پڑا، آپ نے ان کی سرکوبی اور ان نوجوانوں کو صحیح راہ پر لانے کے لیے سیاسی تدبر اور قومی حمیت و ہمدردی کا مظاہرہ کیا اور ایسے نوجوانوں کی اصلاح کے لیے مستقل ادارے قائم کئے تاکہ ان کی ازسرنو ذہن سازی کر کے عام قومی دھارے میں شامل کیا جائے۔

عالمی سیاست میں شاہ عبداللہ جس قدآور شخصیت کے مالک تھے اور عالمی رہنماؤں میں آپ کی جو عزت اور مقام تھا اس کا اندازہ کم ہی لوگوں کو تھا، مگر آپ کی وفات کے بعد عالم عرب اور عالم اسلام کے سربراہان کے علاوہ دنیا کے سب سے طاقت ور ممالک کے سربراہان کی آمد کا جب تانتا بندھ گیا تب اس نے آپ کے مخالفین کو بھی حیرت واستعجاب میں ڈال دیا اور ان کی زبانیں بند ہوگئیں اور ان کے پاس اس عالمی ردعمل کا کوئی جواب نہ رہا، وجحدوا بها واستيقنتها أنفسهم ظلما وعلوا۔

بہرحال "كل من عليها فان" آپ بھی اپنے موعود وقت پر اپنی آل واولاد سعودی عرب کے عالی ظرف، وفادار اہل وطن، عالم عرب وعالم اسلام اور پوری دنیا میں اپنے بے شمار چاہنے والوں کو الوداع کہتے ہوئے رب کریم غفور رحیم کے جوار کو رخصت ہوگئے۔ اللهم اغفر له وارحمه وعافه واعف عنه وأكرم نزله ووسع مدخله واغسله بالماء والثلج والبرد ونقه من الذنوب والخطايا كما ينقى الثوب الأبيض من الدنس، اللهم جازيه بالحسنات احسانا وبالسيئات عفوا وغفرانا۔

جامعہ سلفیہ کی مجلس منتظمہ، اس کے اساتذہ وطلبہ وادارۂ محدث انتہائی خلوص کے ساتھ مملکت التوحید کے سربراہ اعلی مرحوم شاہ عبداللہ کے اولاد، احفاد، سعودی عوام وعالم اسلام کی خدمت میں تعزیت پیش کرتا ہے۔ ولا نقول الا ما يرضى ربنا، انا لله وانا إليه راجعون، وإنا بفراقك يا أبا متعب لمحزونون۔

اللہ علی وقدیر سے دعا ہے کہ وہ آپ کے جملہ کارناموں کو آپ کے حسنات میں شمار کرے، ان کو آپ کے لیے صدقہ جاریہ بنائے اور آپ کی اولاد واحفاد اور خادم الحرمین الشریفین شاہ سلمان بن عبدالعزیز حفظہ اللہ، آپ کے وزراء ومعاونین، امراء مناطق کو آپ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا کرے اور ان کو خیر سلف کا بہترین جانشین بنائے، آمین۔

شاہ عبداللہ کی وفات کے بعد حسب نظام آپ کے جانشین شاہ سلمان بن عبدالعزیز کو سعودی عرب کا حاکم اور شہزادہ مقرن بن عبدالعزیز کو آپ کا ولی عہد اور شہزادہ محمد بن نایف بن عبدالعزیز کو ولی ولی عہد منتخب کیا گیا اور آپ کے ہاتھوں پر شرعی

بیعت کی گئی۔

الحمدللہ ثم الحمدللہ اقتدار کے منتقلی کا یہ عمل بہت ہی خوش اسلوبی کے ساتھ انجام پذیر ہوا۔ خاندان آل سعود کے افراد کے درمیان محبت واحترام کا جو رشتہ ہے اس کا مظاہرہ اس موقع پر پردیکھنے میں آیا اور اس کے بعض مناظر شاہ عبداللہ رحمہ اللہ کے جنازے میں بھی نظر آئے۔ اس خاندان کی ایک محترم وبزرگ شخصیت شہزادہ ممدوح بن عبدالعزیز کو جب دنیا نے شہزادہ عبدالعزیز بن فہد کو کے آنسو اپنی رومال سے پوچھتے ہوئے دیکھا اور اس منظر نے کتنی آنکھوں کو اشکبار کر دیا۔

سعودی عرب کے موجودہ حکمراں خادم الحرمین الشریفین شاہ سلمان بن عبدالعزیز بڑی خوبیوں کے حامل انسان ہیں، ان کی فراست ودوراندیشی ضرب المثل ہے۔ آپ کا سیاسی تجربہ نصف صدی پر محیط ہے، آپ سعودی عرب کی راجدھانی ریاض کے گورنر اس وقت بنائے گئے جب آپ کی عمر ۲۰ سال بھی نہ تھی۔

آپ کے بارے میں یہ بھی مشہور ہے کہ آپ علماء نواز، رحم دل اور اپنی رعایا سے محبت رکھنے والے، ان کے دکھ سکھ میں شریک ہونے والے ہیں۔

آپ نے اقتدار سنبھالنے کے بعد ہی جس بڑے پیمانے پر وزارتوں میں تبدیلی کی ہے اور کئی نئے اور کم عمر وزراء کو ملک کی خدمت کا موقع دیا ہے، اس سے آپ کی منشا کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ تبدیلی زندگی کی علامت ہے۔ ان شاءاللہ یہ تبدیلی سعودی عرب کی عوام کے لیے نیک شگون ثابت ہوگی اور اس کی ہمہ جہت ترقی کی رفتار میں خاطر خواہ اضافہ کرے گی۔

آپ کے ولی عہد شہزادہ مقرن بن عبدالعزیز جو ایک عرصہ تک حائل کے گورنر تھے، خاکسار جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کی زمانۂ طالب علمی میں ایک دعوتی مشن پر حائل کی مرکز الجالیات کا مہمان تھا، اس مرکز کے نگراں اعلی شیخ عبداللہ العبیلان تھے، آپ کے ذریعہ جب گورنر مقرن بن عبدالعزیز کو اس بات کا علم ہوا کہ جامعہ اسلامیہ کے چند طلباء مرکز الجالیات کے مہمان ہیں تو آپ نے عید کے دن کی ضیافت کا اہتمام اپنی جیب خاص سے کر دیا۔ تقریبا ۲۵ سال گذرنے کے باوجود اس شاہی ضیافت کا لطف آج بھی زبان پر اور اس کی یاد ذہن میں تازہ ہے۔

شہزادہ مقرن کے بعد ولی ولی العہد کے طور پر جس شخصیت کا انتخاب عمل میں آیا وہ سعودی عرب کے شاہین صفت وزیر داخلہ شہزادہ محمد بن نایف بن عبدالعزیز ہیں۔ آپ شہزادہ نایف بن عبدالعزیز کے فرزند ارجمند ہیں، جو اپنی دین پسندی، سلفیت کے لیے غیرت وحمیت میں مشہور اور مضبوط عزم وحوصلہ کی مالک شخصیت تھے۔ امید کی جاتی ہے کہ شہزادہ محمد بھی اپنے والد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ملک اور اس کی عوام کی بے لوث خدمت کریں گے۔ اور منہج کتاب وسنت جو حکومت سعودی عرب کا طرۂ امتیاز ہے اور نئے انتخاب کے موقع پر بھی اسی منہج پر چلنے کا عہد لیا گیا ہے، ان شاءاللہ یہ حکومت اسی منہج پر گامزن رہے گی اور اس کی برکت سے رب کریم اس حکومت کو اپنی خصوصی عنایت وحفاظت میں رکھے گا، اس کے حکمراں، وزراء ومعاونین کو خاص توفیق سے سرفراز فرمائے گا اور ان کے ذریعہ سے اسلام اور مسلمانوں کو عزت واقبال، حجاج بیت اللہ کو راحت وآرام اور سعودی عوام کو عروج وترقی سے ہم کنار فرمائے گا۔ إنه ولي التوفيق والقادر عليه. ☆☆

فکرونظر

جناب جاوید احمد غامدی کے افکار عالیہ پر ایک نظر

میزان (المورد، جولائی ۲۰۱۲ء، مطبوعہ لاہور) کے حوالے سے

ڈاکٹر محمود حسن الہ آبادی

تشریح دین میں جناب جاوید احمد غامدی صاحب کی مفصل کتاب ''میزان'' پیش نظر ہے۔ جناب غامدی صاحب خود کو مکتب فراہی کے ترجمان مولانا امین احسن اصلاحیؒ کا شاگرد بتلاتے ہیں جو اپنے استاذ مولانا حمید الدین فراہیؒ کے اصول تفسیر کے شارح تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ فہم قرآن کے جو کج اصول مولانا حمید الدین فراہیؒ نے وضع کیے تھے ان کی بنیاد پر ثریا تک پہنچانے والی یہ آخری اینٹ ہے۔ اصل یہ ہے کہ فہم قرآن کی یہ پوری عمارت بنیاد سے لے کر چوٹی تک کج ہے جس کی معراج فتنۂ انکار حدیث ہے۔

مولانا فراہیؒ کے اصول تفسیر پر جو اعتراض شروع سے چلا آرہا ہے یہ ہے کہ مرحوم لغت، کلام عرب اور بائبل سے استشہاد کو روایتی اصول تفسیر پر جو اصلاً قرآن اور حدیث پر مبنی ہوا کرتا تھا اور جو اسلاف سے چلا آرہا تھا ترجیح دیتے ہیں۔ مولانا امین احسن اصلاحیؒ صاحب نے اپنی شہرۂ آفاق تفسیر 'تدبر قرآن' میں اکثر یہ بات کہی ہے کہ اگر انہوں نے احادیث سے استناد کی ایک حد نہ مقرر کر لی ہوتی تو مزید کلام کرتے حالانکہ ایسی کوئی حد اپنے اصول ثلاثہ کو استعمال کرنے میں انہوں نے مقرر نہیں کی۔ صاحب تدبر قرآن بہرحال منکر حدیث نہیں تھے لیکن ان کے اصول تفسیر اور حدیث کی خود ساختہ تعریف نے جو برگ و بار پھیلائے انہیں انکار حدیث کے خارزار کے علاوہ کوئی اور نام نہیں دیا جا سکتا۔

مولانا اصلاحی مرحوم نے ادلہ اصولیہ سے اختلاف کرتے ہوئے قرآن فہمی کے لیے صرف دو اصول قائم فرمائے، ایک خود قرآن دوسرے سنت متواترہ۔ اول تو سنت کی ان کی تعریف ہی اتنی منقبض ہے کہ اس سے انکار حدیث کی راہ کشادہ ہوتی ہے، دوسرے عملی طور سے سنت کی جو تعریف انہوں نے فرمائی ہے اس نے انہیں امت کے تعامل کی عام شاہراہ سے بہت دور پھینک دیا ہے۔

علمائے اصولیین نے رسول اللہ ﷺ کے قول و فعل سے استشہاد کے لیے سنت، حدیث، خبر اور اثر کی چار اصطلاحات استعمال کی تھیں اور انہیں مترادف المعنی قرار دیا تھا۔ مولانا اصلاحی نے حدیث، خبر اور اثر سب کا انکار کر دیا۔ مزید یہ کہ سنت کو بھی متواتر میں محدود کر کے اس میدان کو اور بھی تنگ کر دیا۔ مولانا اصلاحی کے نظریات پر کلام کرنا اس وقت مقصود نہیں ہے۔ تمہیداً یہ بات اس لیے عرض کی گئی کہ اس تدریجی انقباض کا نتیجہ بالآخر انکار حدیث کی صورت میں برآمد ہونا ہی تھا اور وہ ہو کر رہا۔ جناب جاوید احمد غامدی صاحب کے افکار پر اسی مناسبت سے جائزہ پیش کیا جا رہا ہے۔

دین کے بارے میں غامدی صاحب کے افکار کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ قرآن اور سنت متواترہ کی صورت میں ملا ہے اور ''دین لاریب انہیں دو صورتوں میں ہے۔ ان کے علاوہ کوئی چیز دین ہے اور نہ اسے دین قرار دیا جا سکتا ہے''۔

اس کے بعد مزید فرماتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ کے قول، فعل اور تقریر وتصویب کو اخبار آحاد جنہیں بالعموم حدیث کہا جاتا ہے، ان کے بارے میں یہ حقیقت ناقابل تردید ہے کہ ان کی تبلیغ وحفاظت کے لیے آپ ﷺ نے کبھی کوئی اہتمام نہیں کیا بلکہ سننے اور دیکھنے والوں کے لیے چھوڑ دیا ہے کہ چاہیں تو انہیں آگے پہنچائیں اور چاہیں تو نہ پہنچائیں''۔ (ص ۱۵)

موصوف نے اس جملہ مرکب میں جو کچھ فرمایا ہے وہ سرتا سر غلط ہے۔ جمع وتدوین حدیث کے مسئلہ پر اتنی گفتگو ہو چکی ہے کہ مزید گفتگو لاحاصل ہے، لیکن یہ عرض کیے بغیر چارہ نہیں کہ سنت متواترہ جن چیزوں کو آپ فرما رہے ہیں ان کے تحفظ کے لیے کب رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا تھا کہ انہیں یاد رکھیں اور دوسروں تک پہنچائیں۔ آخر یہ تکلف کیوں ہو کہ سنت متواترہ کو دین میں شامل کر دیا جائے۔ یہ تو صرف صاحب مقال کی خواہش معلوم ہوتی ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ جن چیزوں کو غامدی صاحب سنت متواترہ کا نام دے رہے ہیں ان کی تعداد چند سو سے زیادہ نہیں ہے۔ دین کے تین چوتھائی سے زیادہ احکام تو اسی اخبار آحاد سے ثابت ہوتے ہیں جن کو آپ نے نصوص کے دائرے سے خارج کر دیا ہے۔ منکرین حدیث کے پاس اسی لیے عمل کے لیے کوئی امر نہیں ہے۔ اب وہ اہل مغرب کی طرح آزاد ہیں ۔

رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی

غامدی صاحب اس کے بعد مبادی تدبر قرآن کے عنوان پر گفتگو فرماتے ہیں۔ قرآن کا عربی معلی ہونا کس کو تسلیم نہیں؟ عربی معلی کے نمونوں کے لیے جن سترہ کتابوں کی فہرست موصوف نے فراہم کی ہے ان میں سے اکثر عربی ادب کی درسیات میں داخل ہیں۔ ان کتب میں ادب کے جن نمونوں کو جمع کیا گیا ہے وہ سماعی روایتیں ہی ہیں جو صاحب کتاب کو کسی راوی ہی کے واسطے سے پہنچی ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ سب کتابیں آپ کی سنت کی تعریف کے مطابق محفوظ ہیں؟ پھر ان سے استناد کیسے جائز ہو گیا؟

اس کے بعد آپ گہرافشانی فرماتے ہیں: ''پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ زبان وادب کا یہ معجزہ بغیر کسی ادنی تغیر کے اور بغیر کسی حرف کی تبدیلی کے باللفظ ہم تک منتقل ہوا ہے''۔ (ص ۱۷) بات درست ہے لیکن کیا اللہ نے صرف اس کے الفاظ کی حفاظت کی ذمہ داری لی ہے اور معنی کا تعین قاری (غامدی صاحب) کے اوپر چھوڑ دیا ہے۔ کیا مفہوم کی آوارگی بھی من جانب اللہ سمجھی جائے؟ مزید یہ کہ جن روایتوں کی بنا پر آپ قرآن کے الفاظ کو محفوظ قرار دے رہے ہیں کیا وہ روایتیں آپ کی سنت متواترہ کی تعریف پر پوری اترتی ہیں؟

غامدی صاحب فرماتے ہیں: ''قرآن سے باہر کوئی وحی خفی یا جلی، یہاں تک کہ خدا کا وہ پیغمبر بھی جس پر یہ نازل ہوا ہے اس کے کسی حکم کی تحدید وتخصیص یا اس میں کوئی ترمیم وتغیر نہیں کر سکتا''۔ (ص ۲۵)

قرآن میں تحدید وتخصیص کا مسئلہ دراصل نسخ سے تعلق رکھتا ہے اور کہاں کسی حکم خاص کو عام اور حکم عام کو خاص قرار دیا جائے، اسی کی توضیح کے لیے تو اللہ تعالی نے قرآن کو پیغمبر کے اوپر نازل فرمایا ہے۔ آخر غامدی صاحب کو یہ اختیار کیسے حاصل ہو گیا کہ وہ بغیر اونٹ گھر میں باندھے ہوئے نماز کو نکل جائیں کیونکہ اللہ کا حکم ہے: ﴿فصل لربك وانحر﴾ (الکوثر:۲) اگر نماز سے مراد اصطلاحی مروجہ نماز نہ ہو جیسا کہ پرویزی گروپ کا کہنا ہے تو بھی ہر دعا کے بعد قربانی تو لازم آئے گی۔ غامدی

صاحب کو یہ حق کیسے حاصل ہو گیا کہ اپنی ضرورت سے زیادہ رقم یا مال گھر یا بینک میں رکھیں کیونکہ اللہ فرماتا ہے: ﴿ویسألونك ماذا ینفقون، قل العفو﴾ (البقرة:۲۱۹) ایسے ہی جب جب وہ نماز یا دعا کے لیے کھڑے ہوں تو ہمیشہ چہرہ، ہاتھ (کہنیوں تک) اور پاؤں کو دھوئیں اور سر کا مسح کریں۔ (المائدہ:۶) اتنا پانی تو گھر میں موجود ہی رہنا چاہیے کہ ہر قیام سے پہلے یہ کام کرنا فرض ہے، کیونکہ ان تمام کاموں کی تحدید تو رسول اکرم ﷺ نے کی ہے اور بقول غامدی صاحب انہیں یہ حق حاصل نہیں ہے۔ پھر ایک سوال یہ بھی ہے کہ رسول کو تو یہ حق حاصل نہیں ہے لیکن غامدی صاحب کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے طور پر کسی حکم عام کو خاص یا کسی خاص حکم کو عام کر لیں؟ یا للعجب۔ اس کے بعد غامدی صاحب جب یہ فرماتے ہیں کہ ''اس کے الفاظ کی دلالت اس کے مفہوم پر بالکل قطعی ہے'' (ص ۲۵) تو یہ ایک بالکل بے معنی بات ہوتی ہے۔

جناب غامدی صاحب ص ۲۷-۲۸ پر سورہ اعلی کی آیات ۶-۷ اور سورہ قیامہ کی آیات ۱۲ تا ۱۹ پیش فرماتے ہیں جن کا تشریحی ترجمہ موصوف یوں کرتے ہیں: ''عنقریب (اسے) ہم (پورا) تمہیں پڑھا دیں گے تو تم نہیں بھولو گے مگر وہی جو اللہ چاہے۔ وہ بے شک جانتا ہے اس کو بھی جو اس وقت (تمہارے) سامنے ہے اور اسے بھی جو (تم سے) چھپا ہوا ہے''۔ (الاعلی: ۶-۷) ''اس (قرآن) کو جلد پا لینے کے لیے (اے پیغمبر) اپنی زبان کو اس پر جلدی نہ چلاؤ۔ اس کو جمع کرنا اور سنانا یہ سب ہماری ہی ذمہ داری ہے۔ اسی لیے جب ہم اس کو پڑھ چکیں تو (ہماری) اس قراءت کی پیروی کرو۔ پھر ہمارے ہی ذمہ ہے کہ (تمہارے لیے اگر کہیں ضرورت ہو تو) اس کی وضاحت کر دیں''۔ (القیامۃ: ۱۶ تا ۱۹)

غامدی صاحب فرماتے ہیں کہ ''ان آیتوں میں قرآن کے نزول اور اس کی ترتیب و تدوین سے متعلق اللہ تعالی کی جو اسکیم آئی ہے وہ یہ ہے:

اولاً: نبی ﷺ کو بتایا گیا ہے کہ حالات کے لحاظ سے تھوڑا تھوڑا کر کے یہ قرآن جس طرح آپ کو دیا جا رہا ہے اس کے دینے کا صحیح طریقہ یہی ہے، لیکن اس سے آپ کو اس کی حفاظت اور جمع و ترتیب کے بارے میں کوئی تردد نہیں ہونا چاہیے۔ اس کی جو قراءت اس کے زمانۂ نزول میں اس وقت کی جا رہی ہے اس کے بعد ایک دوسری قراءت ہوگی۔

ثانیاً: آپ کو بتایا گیا ہے کہ یہ دوسری قراءت قرآن کو جمع کر کے ایک کتاب کی صورت میں مرتب کر دینے کے بعد کی جائے گی۔

ثالثاً: یہ بتایا گیا ہے کہ قرآن کے کسی حکم سے متعلق اگر شرح و وضاحت کی ضرورت ہوگی تو وہ بھی اس موقع پر کر دی جائے گی۔ روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جبریل امین ہر سال جتنا قرآن نازل ہو جاتا تھا، رمضان کے مہینے میں اسے نبی ﷺ کو پڑھ کر سنا دیا کرتے تھے۔ آپ کی زندگی کے آخری سال میں جب یہ عرضۂ اخیرہ کی قرأت ہوئی تو انہوں نے اسے دو مرتبہ حضور ﷺ کو پڑھ کر سنایا۔ (بروایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، بخاری: حدیث نمبر ۴۹۹۸)

فقیہ شہر غامدی صاحب تو لغت ہائے حجازی کے قارون ہیں۔ ذرا یہ بتائیں کہ (۱) اتنا بڑا مضمون ان آیتوں سے کیسے نکل آیا، (۲) الا ما شاء الله (تو تم نہیں بھولو گے مگر وہی جو اللہ چاہے گا) کی کوئی توجیہ موصوف نے ارشاد نہیں فرمائی، (۳) بخاری کی جس حدیث سے انہوں نے استشہاد کیا ہے کیا وہ ان کی سنت ثابتہ متواترہ کی میزان پر پوری اترتی ہے؟

اس کے بعد موصوف نے سبعة أحرف کی تشریح (اعتراض) میں چند صفحے سیاہ کیے ہیں۔اس ذیل میں آپ دلالت الفاظ جیسے بھاری بھرکم الفاظ سے ہم جیسے کم علموں کو مرعوب فرماتے ہیں۔سوال یہ ہے کہ دلالت الفاظ سے آپ نے مذکورہ آیات میں اتنا بڑا مضمون برآمد کرلیا لیکن اگر روایت پرست (؟) لوگ اس سے ملتا جلتا دوسرا مفہوم احادیث کی بنیاد پر سمجھیں تو روایت کے مقابلے میں آپ کی رائے کے لیے کیا وجہ ترجیح ہے؟ لطف یہ ہے کہ آپ بھی اپنی باتوں کو ثابت کرنے کے لیے حدیث ہی کا سہارا لے رہے ہیں۔

اس ذیل میں آپ یہ بھی فرماتے ہیں:''یہی حقیقت ہے جس کی بنا پر ہم جو کچھ بولتے اور لکھتے ہیں اس اعتماد کے ساتھ بولتے اور لکھتے ہیں کہ دوسرے اس سے وہی کچھ سمجھیں گے جو ہم کہنا چاہتے ہیں''۔درست فرمایا آپ نے،لیکن کیا یہ حقیقت جو آپ جیسے عربی معلّٰی کے حافظ کی نگاہوں میں آشکار ہوئی ہے ان عربوں کی نگاہوں سے مستور رہ گئی جن کی زبان ہی عربی تھی۔ شعر اور شعراء سے ان کی دلچسپی کا آپ کو خود اعتراف ہے بلکہ یہ آپ کے لیے بمنزلۂ دلیل کے ہے۔اگر ایسا ہے تو یہ ان اسلاف کے بارے میں آپ کا یہ گمان بہت حقیر ہے۔غامدی صاحب کی یہ بحث کافی طویل ہے اور اس میں ایک شاخ سے دوسری شاخ پھوٹتی چلی جاتی ہے،لیکن حاصل وہی کچھ برآمد ہوتا ہے جو اوپر عرض کیا جا چکا ہے۔

آپ حدیث اور قرآن کے عنوان کے تحت قرآن کے نسخ اور اس کی تحدید و تخصیص کے مسئلہ میں اکابرین اسلاف کے نقطۂ نظر کو سوء فہم اور قلت تدبر کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔اس کی مثال میں آپ رسول اللہ ﷺ کے کچلی والے درندوں اور چنگال والے پرندوں کی حرمت کو چیلنج کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔فرماتے ہیں:''اوپر کی بحث سے واضح ہے کہ یہ اسی فطرت کا بیان ہے جس کا علم انسان کے اندر ودیعت کیا گیا ہے۔لوگوں کی غلطی یہ ہے کہ لوگوں نے اسے بیان فطرت کے بجائے بیان شریعت سمجھا''۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ درندوں یا شکاری پرندوں یا پالتو گدھے کا گوشت کھانا شرعاً ممنوع نہیں ہے بلکہ طبعاً ممنوع ہے، کیونکہ انسانی فطرت کا تقاضہ ہے کہ ان مطعومات سے ابا کرے۔اس بارے میں رسول ﷺ کی تحریم و تحلیل کو اگر بنیاد بنایا جائے تو یہ موصوف کی عربی دانی اور ذوق تدبر کے خلاف ہوگا۔یہ رسول اللہ ﷺ کے منصب تحلیل و تحریم کے حق کا جو سورۃ الاعراف کی آیت نمبر ۱۵۷ کے تحت حضور ﷺ کو عطا ہوا ہے،سراسر انکار ہے۔اس سے رسول ﷺ کا مقصد بعثت ہی فوت ہو جاتا ہے۔واضح رہے کہ سور جیسے گندے اور بے حیا جانور کو سینٹ پال نے اسی منطق کی بنا پر حلال قرار دیا تھا کہ اس کی طبیعت وہاں کی صاف ستھری خنزیر کے کھانے سے ابا نہیں کرتی تھی۔اب ہر شخص اپنے مزاج اور طبیعت کے اقتضاء کے تحت اشیاء کی حلت و حرمت کا خود فیصلہ کرسکتا ہے۔موصوف کی منطق اسی نتیجے تک پہنچاتی ہے۔

اس کے بعد آپ ایک طویل گفتگو شریعت کے مصالح سے متعلق فرماتے ہیں۔رسول اللہ ﷺ کے بہت سے قضایا یا احکام قرآن کی بعض آیات یا ان کی تشریح میں وجود میں آئے ہیں۔علمائے متقدمین نے بھی ان پر گفتگو فرمائی ہے لیکن ان کی گفتگو اور جناب غامدی صاحب کی گفتگو میں بعد الطرفین ہے۔ان لوگوں نے نافذ شدہ احکام کی مصلحتیں دریافت کی ہیں۔ غامدی صاحب کی دریافت میں مصالح پہلے ہیں حکم بعد میں صادر ہوتا ہے،اس طرح گھوڑا گاڑی کے پیچھے جوت دیا جاتا ہے۔ مقصد اس کا فقط اس قدر ہے کہ لوگوں کو بتایا جائے کہ رسول اللہ ﷺ نے جن مصالح کی بنیاد پر بعض اشیاء کی حلت و حرمت کا

اضافی فیصلہ کیا ہے ہم خود مصالح کے تحت اشیاء کی حلت وحرمت کا فیصلہ کرنے کے مجاز ہیں۔یعنی ہمیں رسول کے اس اضافی اختیار مطلق کا انکار ہے۔تدبر کا یہ تناقض ملاحظہ ہو کہ رسول ﷺ کو تو یہ منصب حاصل نہ ہو لیکن متجددین وقت اپنے تدبر سے جن چیزوں کو چاہیں حلال کرلیں اور جن چیزوں کو چاہیں حرام قرار دے لیں۔تصویر کشی اور مجسمہ سازی کو اسی سوء تدبر کی وجہ سے ان لوگوں نے جائز ہی نہیں بلکہ مستحسن قرار دیا ہے۔

معروف ومنکر کے ذیل میں غامدی صاحب نے اور بھی کئی مثالیں دی ہیں۔دراصل موصوف ہی نہیں بلکہ اس نہج پر سوچنے والوں کی بنیادی غلطی یہ ہے کہ وہ مصالح شریعت اور مقاصد شریعت میں فرق نہیں کرتے۔مقاصد شریعت کے تحت اللہ تعالی کے احکام یعنی اوامر ونواہی ہیں اور اسی کے تحت رسول اللہ ﷺ کے دیئے گئے مزید احکام ہیں جب کہ مصالح کے تحت جہاں حکم واضح نہ ہو وہاں اجتہاد ہوتا ہے۔

آپ نے ایک بات اور ارشاد فرمائی ہے کہ ’’پورا دین خوب وناخوب کے شعور پر مبنی ان حقائق سے مل کر مکمل ہوتا ہے جو انسانی فطرت میں روز اول سے ودیعت ہیں اور جنہیں قرآن معروف ومنکر سے تعبیر کرتا ہے‘‘۔عرض ہے کہ یہ بیان نامکمل ہے۔خوب وناخوب کی دو قسمیں ہیں،ایک وہ جنہیں Universal Truth کے نام سے جانا جاتا ہے۔یہ تکوینی احساس اور شعور "فألهمها فجورها وتقواها" (الشمس:۸)اور "وهديناه النجدين" (البلد:۱۰) کے تحت روز اول سے ہر انسان کے دل میں ودیعت ہے۔اسی لیے قرآن میں ان کی تقسیم نفس مطمئنہ (الفجر:۲۷) نفس امارہ (یوسف:۵۳) اور نفس لوامہ (القیامۃ:۲) کے ناموں سے کی گئی ہے۔لیکن یہ فطری احساس وشعور تشریعی ہدایت سے انسان کو بے نیاز نہیں کرتا جس کے لیے اللہ تعالی نے انبیاء کی بعثت فرمائی ہے۔ورنہ بعثت انبیاء کا مقصد ہی فوت ہو جاتا۔

سبع من المثاني (الحجر:۸۷) کی تاویل میں بھی آنجناب نے لوگوں کو دھوکہ دینے کی پوری کوشش فرمائی ہے۔"ولقد آتيناك سبعا من المثاني والقرآن العظيم" (الحجر:۸۷) کا ترجمہ آپ فرماتے ہیں’’اور ہم نے (اے پیغمبر) تم کو سات مثانی دیئے ہیں یعنی یہ قرآن عظیم عطا فرمایا ہے‘‘۔آپ اپنی عربی دانی کے زعم میں’و‘کو عطف کے بجائے تفسیر قرار دیتے ہیں۔سوال یہ ہے کہ سوائے حدیث رسول کی مخالفت کے دوسرے ترجموں کے مقابلہ میں آپ کے ترجمہ کے لیے وجہ ترجیح کیا ہے؟

قرآن فہمی کے لیے جو اصول آپ نے منضبط فرمائے ہیں ان میں آیات کا تاریخی پس منظر بھی ہے۔یہ اصول غلط نہیں ہے لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر آپ تاریخ سے استناد کرسکتے ہیں تو احادیث نے کیا قصور کیا ہے؟ کیا احادیث کے مقابلے میں تاریخ زیادہ معتبر ذرائع سے سامنے آئی ہے؟ حقیقت تو یہ ہے کہ تاریخ بھی وہی معتبر ہے جسے رسول اکرم ﷺ ہی کی روایت نے سند اعتبار عطا کیا ہو۔بائبل اور اسرائیلیات اسی لیے احادیث کے مقابلے میں غیر معتبر ہیں۔فراہی مکتب فکر میں یہی ترتیب معکوس ہو جاتی ہے۔

اس کے بعد غامدی صاحب مبادی تدبر سنت کے لیے سات اصول فراہم کرتے ہیں جن میں آپ نے انانیت اور فوضویت کی انتہا کر دی ہے۔چھٹے اصول کے تحت آپ لکھتے ہیں کہ’’روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے لوگوں کو تشہد اور درود بھی سکھایا ہے اور اس موقع پر کرنے کے لیے دعاؤں کی تعلیم بھی دی ہے،لیکن یہی روایتیں واضح کر دیتی ہیں کہ ان میں کوئی چیز بھی نہ آپ نے بطور خود اس موقع کے لیے مقرر کی ہے اور نہ سکھانے کے بعد لوگوں کے لیے اسے پڑھنا لازم

قرار دیا ہے۔ یہ آپ کے پسندیدہ اذکار ہیں اور ان سے بہتر کوئی چیز تصور نہیں کی جاسکتی''۔ پھر آگے لکھتے ہیں:''(آپ) آپ (ﷺ) کی سکھائی ہوئی یہ دعائیں بھی کر سکتے ہیں اور ان کی جگہ دعا ومناجات کے لیے کوئی اور طریقہ بھی اپنا سکتے ہیں''۔

ہمیں اس بات کا اعتراف ہے کہ اسی مبینہ تفقہ اور تدبر کی بنا پر امام ابوحنیفہؒ غیر عربی زبان میں نماز کو جائز سمجھتے تھے جسے صاحبین (ان کے دونوں شاگرد امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ) نے قبول نہیں کیا تھا اور آخر عمر میں امام صاحب نے بھی اپنے فتوی سے رجوع کرلیا تھا۔ اس معاملہ میں تو غامدی صاحب عجیب غلط فہمی کا شکار ہیں۔ (عبادات (حقوق اللہ) کے معاملہ میں اطاعت طابق النعل بالنعل مطلوب ہے جیسا کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: "صلوا كما رأيتموني أصلي اور خذوا عني مناسككم یعنی نماز اور حج تم ویسے ادا کرو جیسے میں کرتا ہوں۔ اور نماز اور حج کے طریقے آپ نے جزئی تفصیلات کے ساتھ بتا دیئے، لیکن آپ کے مختلف اوقات میں مختلف وظائف اختیار کرنے کی وجہ سے مسلمانوں کے لیے سہولت حاصل ہوگئی ہے کہ وہ مسنونہ دعاؤں میں کسی یا کچھ یا سب کا انتخاب کر سکتے ہیں۔ کسی صحابیؓ نے مختلف اوقات میں اختیار کیے گئے رسول اکرم ﷺ کے وظائف کو من مانی کرنے کی اجازت نہیں سمجھا۔ یہیں پر قرآن کی ان آیتوں کا محل سامنے آتا ہے جن میں اللہ کے ساتھ رسول کی اطاعت کا بھی حکم آیا ہے۔ جس طرح نماز کی موجودہ شکل کی صورت گری بغیر احادیث کے متعین نہیں کی جاسکتی ویسے ہی مخصوص مواقع پر مخصوص دعائیں بھی منصوص ہیں اور وہ دعائیں رسول اکرم ﷺ نے قرآن کی تفصیل اور تبیین ہی میں امت کو سکھائی ہیں۔ منصوص دعاؤں کا انتخاب اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے تمام دعائیں ہمیشہ نہیں پڑھی ہیں۔

ساتویں اصول احکام میں امت کے اخبار آحاد کی قبولیت پر طنز کرتے ہوئے غامدی صاحب فرماتے ہیں کہ ''اخبار آحاد کی طرح سے لوگوں کے فیصلے پر نہیں چھوڑا جاسکتا''۔ سوال ہے کہ کیا اخبار آحاد کی مقبولیت لوگوں کے فیصلے پر مبنی ہے؟ ایسا سمجھنا علوم الحدیث سے انتہا درجہ بے خبری کا نتیجہ ہے۔ اس موضوع پر ناچیز اپنے کئی مقالات میں گفتگو کر چکا ہے۔ اس لیے یہ مسئلہ اور تدبر حدیث کا پورا باب نظر انداز کرتے ہوئے ناچیز اپنے ان مضامین کی طرف اشارہ کر رہا ہے، جہاں ان تمام اشکالات واعتراضات کا بالتفصیل جواب موجود ہے:

(۱) تبصرہ 'ادراک زوال امت' از راشد شاز۔ مشمولہ 'ادبیات محمود' (اول)

(۲) مقالہ 'معارضات سیرۃ النعمان'۔ مشمولہ 'مقالات محمود' (اول)

(۳) تبصرہ 'مقاصد شریعت' از ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی۔ مشمولہ 'مقالات محمود' (دوم)

(۴) مقالہ 'اصلاح حال یا مسلک اعتزال'۔ مشمولہ 'مقالات محمود' (دوم)

(۵) مقالہ 'ردعمل کا جائزہ'۔ مشمولہ 'مقالات محمود' (دوم)

(۶) مضمون 'دام ہمرنگ زمیں' مشمولہ 'مقالات محمود' (دوم)

(۷) مکتوب بہ نام جاوید احمد غامدی صاحب۔ مشمولہ 'مقالات محمود' (دوم)

(۸) مکتوب 'قتل مرتد کا مسئلہ'۔ مشمولہ 'مقالات محمود' (دوم)

مذکورہ مقالات پڑھ لینے کے بعد ان شاء اللہ قارئین کے تمام شکوک کا ازالہ ہوجائے گا۔ وما توفيقي إلا بالله. ☆

حرمین شریفین

بلدِ حرام کے فضائل اور اس کے بعض احکام

(۴)

محمد اسلم مبارک پوری

۲-حجر اسود:

حجر اسود وہ پتھر ہے جو خانہ کعبہ کے مشرقی کونہ میں نصب ہے۔یہیں سے کعبہ کا طواف شروع ہوتا ہے۔یہ اللہ تعالی کے امن والے حرم میں واضح نشانیوں میں سے ہے۔اس کے احکام وآداب، اور فضیلت کے متعلق گفتگو درج ذیل عنوانات میں ہم ذکر کر رہے ہیں:

(أ) حجر اسود جنت سے نازل ہوا ہے۔

نصوص شرعیہ یہ ثابت کرتی ہے کہ حجر اسود جنت سے نازل ہوا ہے، جو دودھ سے زیادہ سفید تھا،لیکن بنو آدم کی خطاؤں نے اسے سیاہ کر دیا ہے۔اس سلسلہ میں چند نصوص ملاحظہ ہوں:

امام نسائی نے اپنی سنن میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "الحجر الأسود من الجنة" (۱) حجر اسود جنت سے (آیا) ہے۔

سنن ترمذی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہی بایں لفظ روایت ہے: "نزل الحجر الأسود من الجنة، وهو أشد بياضا من اللبن، فسودته خطايا بني آدم" (۲) حجر اسود جنت سے نازل ہوا ہے۔وہ دودھ سے زیادہ سفید تھا۔بنو آدم کی گناہوں نے اسے سیاہ کر دیا ہے۔

جب گناہوں کا یہ اثر جمادات پر ہے تو دلوں پر ان کا کیا اثر ہوگا؟

(ب) حجر اسود کو بوسہ دینا،استلام کرنا اور اس پر پیشانی رکھنا:

اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیں حجر اسود کی تعظیم کا شرعی طریقہ یہ سکھایا ہے کہ جو کعبہ کا طواف کرے، وہ اپنا طواف حجر اسود سے شروع کرے۔اگر ممکن ہو سکے تو اس کا بوسہ دینا اس کے لیے مشروع قرار دیا گیا ورنہ اپنے ہاتھ سے استلام کرے، اور خوب اچھی طرح چھوئے۔پھر اپنے ہاتھ کو بوسہ دے، یا کسی چھڑی سے استلام کرے پھر پہنچی ہوئی چھڑی کا بوسہ دے۔بوسہ اور استلام پر عدم قدرت یا دوسروں کو ایذاء پہنچانے کے خوف سے صرف اپنے ہاتھ سے اشارہ کرے۔ان تمام افعال کے ساتھ اللہ اکبر کہے۔اس کے دلائل درج ذیل ہیں:

(۱) سنن نسائی ۲۲۶/۵، شیخ البانی رحمہ اللہ نے صحیح سنن نسائی (حدیث نمبر ۲۷۴۸) میں اسے "صحیح" کہا ہے۔

(۲) سنن ترمذی (حدیث نمبر ۸۷۷) اسے ترمذی، ابن خزیمہ (صحیح ابن خزیمہ ۲۲۰/۴، حدیث ۲۱۹۰) اور شیخ البانی نے صحیح الترمذی (حدیث نمبر ۶۹۴) میں "صحیح" کہا ہے۔

امام بخاری نے اپنی صحیح میں زبیر بن عربی سے روایت کیا ہے، انہوں نے کہا کہ ایک آدمی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے حجر اسود کا استلام کرنے کے بارے میں سوال کیا، انہوں نے فرمایا کہ ایک آدمی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے حجر اسود کا استلام کرنے کے بارے میں سوال کیا، انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو استلام کرتے ہوئے، اور اسے بوسہ دیتے ہوئے دیکھا ہے۔ اس آدمی نے کہا: اگر میں ازدحام یا مغلوب ہوجانے کی بنا پر بوسہ نہ دے سکوں تو آپ کی کیا رائے ہے؟ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: أر أیت (آپ کی کیا رائے ہے) یمن ہی میں رہنے دو۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو حجر اسود کا بوسہ دیتے اور استلام کرتے دیکھا ہے۔(۱)

مسلم کی روایت میں نافع سے مروی ہے، انہوں نے کہا کہ میں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا ہے، آپ نے حجر اسود کا استلام کیا، پھر اپنے ہاتھ کو بوسہ دیا اور فرمایا: میں نے استلام نہیں چھوڑا ہے جب سے میں نے رسول اللہ ﷺ کو کرتے ہوئے دیکھا ہے۔(۲)

امام مسلم نے حضرت ابوالطفیل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے کہ آپ کعبہ کا طواف کرتے ہیں، اور ایک چھڑی سے جس کے آخر میں لوہا لگا ہوتا ہے، استلام کرتے ہیں۔ پھر اس چھڑی کو بوسہ دیتے ہیں۔(۳)

امام بخاری نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، انہوں نے کہا: نبی ﷺ نے بیت اللہ شریف کا اونٹ پر (بیٹھ کر) طواف کیا۔ جب آپ حجر اسود والے گوشہ پر آئے تو اپنے پاس موجود کسی چیز سے اس کی طرف اشارہ کرتے، اور ''اللہ اکبر'' کہتے۔(۴)

امام مسلم نے سوید بن غفلہ سے روایت کیا ہے، انہوں نے کہا کہ میں نے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے کہ آپ نے حضرت اسود کو بوسہ دیا، اور اس سے چمٹے رہے۔ پھر فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو تم سے حد درجہ لگاؤ رکھتے ہوئے دیکھا ہے۔(۵)

صحیح ابن خزیمہ میں جعفر بن عبداللہ سے مروی ہے، انہوں نے کہا: میں نے محمد بن عباد بن جعفر کو دیکھا ہے کہ انہوں نے حجر اسود کا بوسہ دیا، اور اس پر پیشانی رکھا۔ پھر فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے آپ نے ایسے ہی کیا جیسے میں نے کیا ہے۔(۶)

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب الحج، باب تقبیل الحجر، حدیث نمبر ۱۶۱۱۔
(۲) صحیح مسلم کتاب الحج، باب استحباب استلام الرکنین الیمانیین فی الطّواف دون الرکنین الآخرین، حدیث نمبر ۱۲۶۸۔
(۳) صحیح مسلم کتاب الحج، باب جواز الطّواف علی بعیر وغیرہ واستلام الحجر بمحجن ونحوہ للراکب، حدیث نمبر ۱۲۷۴۔
(۴) صحیح بخاری کتاب الحج، باب التکبیر عند الرکن، حدیث نمبر ۱۶۱۳۔
(۵) صحیح مسلم کتاب الحج، باب استحباب تقبیل الحجر الأسود فی الطّواف، حدیث نمبر ۱۲۷۰۔
(۶) صحیح ابن خزیمہ ۴/۲۱۳، اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

امام ابن خزیمہ نے اس حدیث پر یہ باب باندھا ہے: "باب السجود على الحجر، إذا وجد الطائف السبيل إلى ذلك من غير إيذاء المسلمين" جب طواف کرنے والا کسی تکلیف کے بغیر حجر اسود کے پاس جانے کا راستہ پائے تو اس کے لیے اس پر پیشانی رکھنا مسنون ہے۔

حجر اسود کا بوسہ دینا، اس کا استلام کرنا، اور اس پر رضائے الٰہی کے لیے پیشانی رکھنا شرعاً مشروع، مسنون اور مرغب فیہ امر ہے، اس میں اجر وثواب ہے۔ اگر کرنے والا سنت کی اتباع کرتے ہوئے، اور اجر موعود کی رغبت رکھتے ہوئے کرتا ہے۔ یہ گمان کرتے ہوئے نہیں کرتا ہے کہ حجر اسود اسے فائدہ اور نقصان پہنچاتا ہے، جیسا کہ بعض جاہلوں کا گمان ہے۔ اسی لیے خلیفۂ راشد حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے تنبیہ کی ہے۔ آپ جب حجر اسود کے پاس آتے تو اسے بوسہ دیتے ہوئے فرماتے: "إني أعلم أنك حجر، لا تضر ولا تنفع، ولولا أني رأيت النبي ﷺ يقبلك ما قبلتك" (۱) میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے، نہ نقصان پہنچاتا ہے اور نہ فائدہ۔ اگر میں نبی ﷺ کو بوسہ دیتے ہوئے نہیں دیکھتا تو ہرگز میں تجھے بوسہ نہ دیتا۔

(ج) حجر اسود پر ہاتھ پھیرنا گناہوں کو مٹاتا ہے:

امام نسائی نے اپنی سنن میں عبید بن عمیر سے روایت کیا ہے کہ ایک آدمی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا: اے ابوعبدالرحمٰن (یہ حضرت عبداللہ بن عمر کی کنیت ہے) میں نے آپ کو صرف انہیں دو رکنوں (رکن حجر اسود، اور رکن یمانی) کا استلام کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ حضرت ابن عمر نے کہا: میں نے نبی ﷺ کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ "إن مسحهما يحطان الخطيئة" (۲) ان دونوں رکنوں کا چھونا گناہ مٹاتا ہے۔

یہ اس شخص کے لیے عظیم ثواب ہے جو اس عبادت کو اخلاص اور صدق نیت سے انجام دے۔

(د) حجر اسود قیامت کے دن اس شخص کے لیے گواہی دے گا جس نے صدق نیت سے اس کا استلام کیا ہے:

ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں، امام احمد نے مسند میں، اور حاکم نے مستدرک میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، انہوں نے کہا کہ: نبی ﷺ نے فرمایا ہے: "إن لهذا الحجر لسانا وشفتين يشهد لمن استلمه يوم القيامة بحق" (۳) بیشک حجر اسود کی ایک زبان اور دو ہونٹ ہیں۔ قیامت کے دن اس شخص کے لیے گواہی دے گا جس نے اسے حق کے ساتھ استلام کیا ہے۔

اس لیے استلام کرتے وقت طواف کرنے والوں کو اذیت دینا جائز نہیں ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ مسلمانوں کو اذیت اور نقصان پہنچانے کی وجہ سے اس کا یہ استلام ناحق ہو، اور استلام سے حاصل ہونے والا اجر فوت ہو جائے۔ صحیح روایت میں ہے

(۱) صحیح بخاری کتاب الحج، باب ما ذکر فی الحجر الأسود، حدیث نمبر ۱۵۹۷۔

(۲) سنن نسائی ۵/۲۲۱، شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔ صحیح سنن نسائی، حدیث نمبر ۲۷۳۲۔

(۳) صحیح ابن خزیمہ ۴/۲۲۱، مسند امام احمد ۱/۲۶۶، مستدرک حاکم ۱/۴۵۷، حاکم نے اسے صحیح کہا ہے، اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے، اور شیخ البانی نے صحیح ابن ماجہ (حدیث نمبر ۲۳۸۱) میں اسے صحیح کہا ہے۔

کہ نبی ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اے عمر! تم ایک قوی اور مضبوط آدمی ہو، اور کمزوروں کو تکلیف پہنچا سکتے ہو۔ جب تم خالی دیکھو تو حجر اسود کا استلام کرو، ورنہ تکبیر کہو، اور آگے بڑھ جاؤ۔(۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب تم (حجر اسود والے کونہ) پر بھیڑ پاؤ تو نہ کسی کو تکلیف دو، نہ تکلیف میں پڑو۔(۲) نیز فرمایا: میرا خیال ہے کہ جو رکن حجر اسود پر مزاحمت کرتا ہے، وہ اس حال میں لوٹتا ہے کہ نہ اس کو گناہ ملتا ہے اور نہ ثواب بلکہ برابر برابر کا معاملہ ہے۔(۳)

مزاحمت کرنے کی ممانعت خواتین کے حق میں شدید تر ہے بالخصوص ایسے ازدحام کی صورت میں کہ جو اجنبی مردوں کے ساتھ اختلاط کا باعث ہو۔ حضرت عطاء بن ابی رباح نے ایک خاتون کو دیکھا کہ وہ حجر اسود کے استلام کا ارادہ کر رہی ہے، تو چیخ کر کہا: عورتوں کو حجر اسود کے استلام کا حق نہیں ہے۔(۴)

ایسے ہی ان امور میں سے جو ناجائز ہیں، یہ بھی ہے جیسا کہ بعض لوگ کرتے ہیں کہ محض استلام کرنے کے لیے امام کے سلام ختم کرنے سے پہلے ہی نماز کو ختم کر دیتے ہیں۔

(ھ) طواف کرنے والے کے لیے مسنون ہے کہ جب حجر اسود کے پاس سے گذرے ''اللہ اکبر'' کہے:

طواف شروع کرتے وقت اللہ اکبر کہیں۔ اور اسی طرح ہر چکر کی ابتدا میں ''اللہ اکبر'' کہیں۔ جب طواف کے آخری چکر میں ہو تو اپنا طواف حجر اسود کے پاس جہاں سے شروع کیا ہے، پہنچ کر ختم کر دیں، اور تکبیر کہیں۔ یوں اس طرح ایک طواف میں تکبیر کی تعداد آٹھ ہو جائے گی۔(۵)

امام بخاری نے اپنی صحیح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، انہوں نے فرمایا: نبی ﷺ نے اونٹ پر بیٹھ کر بیت اللہ کا طواف کیا۔ جب آپ حجر اسود والے گوشہ پر آئے تو اپنے ساتھ موجود کسی چیز سے اشارہ کیا۔ اور اللہ اکبر کہا۔(۶)

بعض اہل علم سات تکبیروں پر اقتصار کرنے کی رائے رکھتے ہیں۔ کیوں کہ ابتدائے چکر میں تکبیر کہنی ہے، آخر میں نہیں۔(۷) واللہ اعلم۔

حجر اسود کے استلام کے وقت تکبیر کی صفت میں حضرت ابن عباس سے ''بسم اللہ'' کی زیادتی یعنی ''بسم اللہ واللہ اکبر'' وارد ہے۔(۸)

☆☆☆

---

(۱) اسے عبدالرزاق نے مصنف (۲۶/۵) میں روایت کیا ہے، زرقانی نے شرح موطأ (۲/۴۰۷) میں ''مرسل جید الإسناد'' کہا ہے۔ نیز اسے ارناووط نے مسند احمد کی تعلیق (۱/۳۲۱) میں ''حسن'' کہا ہے۔

(۲) اخبار مکہ للأزرقی ۱/۳۳۴۔ (۳) اسے عبدالرزاق نے مصنف (۳۶/۵) میں روایت کیا ہے۔

(۴) حوالہ سابق۔ مصنف عبدالرزاق ۱/۳۳۴۔ (۵۶) فتاوی اللجنۃ الدائمۃ ۱۱/۲۲۴، ۲۲۵۔

(۶) صحیح بخاری کتاب الحج، باب التکبیر عند الرکن الیمانی، حدیث نمبر ۱۶۱۳۔

(۷) الشرح الممتع شرح زاد المستقنع لابن عثیمین رحمہ اللہ ۷/۲۸۱۔ (۷) سنن کبری بیہقی ۵/۷۹ بسند صحیح۔

تفہیم دین

مقاصد شریعت

عبدالاحد احسن جمیل/مدینہ منورہ

شریعت نے جن پانچ بنیادی امور کی حفاظت کا امر صادر فرمایا ہے انہی کو ضروریات خمسہ، مقاصد خمسہ سے جانا جاتا ہے، وہ پانچ چیزیں: دین، جان، عقل، نسل اور مال ہیں۔

ہم سب یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ اسلام کی کوئی بھی تعلیم مقصد اور حکمت سے خالی نہیں، تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اسلام نے ان پانچ چیزوں کی حفاظت کا حکم کیوں کر صادر فرمایا ہے، اس کا کیا مقصد ہے۔

یہ بات ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ انسان اس دنیا میں پیدا ہوتا ہے تو اس کے پیدا ہونے کے بعد اس کی پرورش اور اس کی نشو ونما سے لیکر اس کے بالغ ہونے تک بالغ ہونے سے لیکر اس کی شادی اور پھر بچے اور خاندان اس کے بعد اس کی وفات اور اس کا دفن کر دیا جانا ان ضروریات کو انجام دینے کے لیے جن چیزوں کی سب سے زیادہ ضرورت پڑتی ہے اور ان سب کا رتبہ دین کے بعد ہے اور دین کے بقا اور اس کے قائم رہنے کے لئے انسان کا زندہ رہنا، اور اس کو مکلّف ہونے کے لئے باعقل اور ہوش وخرد والا ہونا، سب سے ضروری ہے، اور دنیا کی بقا اور دوام کے لئے انسانی نسل کا وجود نہایت اہم ہے اور اس نسل کی بقا کے لئے مال کی ضرورت کافی اہمیت کی حامل ہے، اس لئے ان میں سے ہر چیز کی تقسیم کو اللہ تعالی نے اپنے پاس رکھا تا کہ ہر انسان کو اس کی حاجت کے مطابق عدل ومساوات کے ساتھ ہر چیزیں ملیں اور ان کی حاجتیں پوری ہوں، چنانچہ انہی ضروریات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے: قل تعالوا أتل ما حرم ربكم عليكم الا تشركوا به شيئا وبالوالدين احسانا ولا تقتلوا أولادكم من املاق نحن نرزقكم واياهم ولا تقربوا الفواحش ما ظهر منها وما بطن ولا تقتلوا النفس التى حرم الله الا بالحق ذلكم وصكم به لعلكم تعقلون، ولا تقربوا مال اليتيم الا بالتى هى أحسن حتى يبلغ أشده وأوفوا الكيل والميزان بالقسط لا نكلف نفسا الا وسعها واذا قلتم فاعدلوا ولو كان ذا قربىٰ وبعهد الله أوفوا ذلكم وصّكم به لعلكم تذكرون ، وأن هذا صراطى مستقيما فاتبعوه ولا تتبعوا السبل فتفرق بكم عن سبيله ذلكم وصّكم به لعلكم تتقون (الأنعام: ۱۵۱-۱۵۳) یعنی اے محمد (ﷺ) آپ کہہ دیجئے کہ آؤ تم کو وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جو تمہارے رب نے تم پر حرام قرار دیا ہے وہ یہ کہ اللہ تعالی کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک مت ٹھہراو، اور اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو، اور اپنے بچوں کو فقر وفاقہ کے ڈر سے قتل نہ کرو ہم ہی تمہیں بھی کھلاتے ہیں اور ہم ہی انہیں بھی کھلاتے ہیں، اور کسی بھی علانیہ یا پوشیدہ بیہودگی کے قریب نہ جاو، اور کسی کا ناحق خون نہ بہاو جس کے خون بہانے کو اللہ تعالی نے حرام قرار دیا ہے مگر یہ کہ وہ قتل کئے جانے کے مستحق ہوں، ان کا تم کو تاکیدی حکم دیا گیا ہے تا کہ تم سمجھو، اور یتیم کے مال کو صحیح طریقہ کے علاوہ نہ چھویا کرو یہاں تک کہ وہ رشد وبلوغت کی

عمر کو پہنچ جائے، اور ناپ تول انصاف کے ساتھ پورا پورا کرو ہم کسی بھی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلّف نہیں کرتے، اور جب کوئی بات کرو تو انصاف کرو، گو وہ شخص قرابت دار ہی ہو، اور اللہ رب العالمین سے جو عہد کیا اس کو پورا کرو، ان کا اللہ تعالی نے تم کو تاکیدی حکم دیا ہے تا کہ تم یاد رکھو، اور یہ کہ یہ میرا سیدھا راستہ ہے، سو اس راہ پر چلو اور دوسری راہوں پر نہ چلو کہ وہ راہیں تم کو اللہ کی راہ سے جدا کر دیں گی۔ اس کا تم کو اللہ تعالی نے تاکیدی حکم دیا ہے تا کہ تم پرہیزگاری اختیار کرو۔

مختصراً ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ انسان اور دنیا کی بقا کے لئے اسلام نے ان پانچ چیزوں کی حفاظت کا حکم صادر فرمایا ہے۔ تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان کی حفاظت کیسے ہو۔

دین کی حفاظت:

چونکہ دین کی حفاظت شریعت اسلامیہ کا اولین مقصد ہے کیونکہ اس کے ضائع ہو جانے سے دوسرے سارے مقاصد بأولی ضائع ہو جائیں گے، اسی لیے اللہ تعالی نے ایک دین دار کو زندہ (باحیات) اور ایک بد دین کو مردہ قرار دیا ہے، چنانچہ رب العالمین کا فرمان ہے: ﴿أو من كان ميتا فأحييناه وجعلنا له نورا يمشي به في الناس كمن مثله في الظلمات ليس بخارج منها﴾ (الأنعام:۱۲۲) ایسا شخص جو پہلے مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ کر دیا اور ہم نے اس کو ایک ایسا نور دے دیا کہ جس کے ذریعہ وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے، کیا ایسا شخص اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے؟ جو تاریکیوں سے نکل ہی نہیں پاتا۔ اور ایک دوسری جگہ اللہ تعالی نے بد دین انسان کو بے کار اور بے سود قرار دیتے ہوئے فرمایا: ﴿ قل يا أهل الكتاب لستم على شئ حتى تقيموا التوراة والانجيل وما أنزل اليكم من ربكم﴾ (المائدۃ:۶۸)، اے محمد (ﷺ) آپ کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب! تم دراصل کسی چیز پر نہیں جب تک کہ تورات و انجیل کو اور جو کچھ تمھاری طرف تمھارے رب کی طرف سے اتارا گیا ہے قائم نہ کرو۔ اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس دین اسلام کی حفاظت کا ذمہ اللہ رب العالمین نے خود لیا ہے چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے: ﴿انا نحن نزلنا الذكر وانا له لحافظون﴾ (الحجر:۹) ہم نے ہی ذکر کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں، تو جس شخص نے بھی دین اسلام قبول کیا وہ اللہ رب العالمین کی امان میں ہوا، اللہ کے نبی محمد ﷺ کا فرمان ہے: أمرت أن اقاتل الناس حتى يشهد ان لا اله الا الله ، وأن محمدا رسول الله ، ويقيموا الصلاة ، ويؤتوا الزكاة ، فاذا فعلوا ذلك عصموا منى دمائهم وأموالهم الا بحق الاسلام، وحسابهم على الله۔ (متفق علیہ) کہ مجھے لوگوں سے جہاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے یہاں تک کہ وہ اس بات کی شہادت دیں کہ معبود برحق صرف اللہ تعالی کی ہی ذات ہے، اور میں محمد اللہ کا رسول (ﷺ) ہوں، نماز قائم کریں زکاۃ دیں، اگر وہ ایسا کریں تو ان کی جان و مال محفوظ ہے مگر یہ کہ جو اسلام کا حق ہو (یعنی حدود کا قائم کیا جانا) اور ان کا حساب اللہ کے ذمہ ہے۔

اس کے باوجود ہماری شریعت نے ہمیں دین کی حفاظت کے طریقہ سکھلائے تا کہ ہم خود بھی آگاہ رہیں اور اس دین کی حفاظت کرتے رہیں جس کے ضائع ہونے پر ہماری زندگی کے ضیاع کا دارومدار ہے، چنانچہ دین کی حفاظت کے جو متعدد

طریقہ ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱- دین کی تعلیمات پر عمل کرنا۔

۲- دین کے فروغ کے لیے کوشش کرنا۔

۳- دین کی طرف دعوت دینا۔

۴- دین کی تعلیمات کے مطابق فیصلہ کرنا۔

۵- اور جو بھی قول یا عمل دین کے مخالف ہوں ان کو چھوڑ دینا اور اور دین پر غیروں کی طرف سے جو اعتراضات ہوں ان کا جواب دینا۔

یہ چند طریقہ ہیں جو شریعت نے دین کی حفاظت کے لئے ہمیں سکھلائے ہیں (دیکھیں: الموافقات از شاطبی: ۴/۲۷، اور مقاصد الشریعۃ الاسلامیۃ از محمد سعد الیوبی، ص: ۱۸۷)

نفس (یعنی جان) کی حفاظت:

شریعت نے نفس کی حفاظت کا کافی اہتمام کیا ہے، اسی لئے شریعت کے سارے احکام نفس کو استفادہ پہنچانے اور اس کو ضرر سے محفوظ رکھنے پر مبنی ہیں، جسے ہم شریعت کی اصطلاح میں (جلب المصالح اور درء المفاسد) کے نام سے جانتے ہیں۔

اور شریعت کی اصطلاح میں جان کی حفاظت سے مقصود وہ جان ہے جو معصوم ہو (یعنی جس نے کسی بے گناہ کا قتل نہ کیا ہو، اس میں آج کے خودکش حملہ ور بھی داخل ہیں۔ (کیونکہ پہلے وہ اپنے نفس کو قتل کرتے ہیں اور نہ جانے کتنے معصوموں کا خون بہاتے ہیں، خودکش حملہ ور سے تو اسلام نے اپنی براءت کا اظہار کیا ہے)، اور وہ شادی شدہ زانی یا مرتد عن الاسلام نہ ہو) اسلام نے جان کی حفاظت کے مختلف طریقہ ہمیں سکھلائیں ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

۱- نفس پر ظلم کرنے کی حرمت۔

۲- قتل کے اسباب کی حرمت۔

۳- قصاص، (یعنی اگر کسی نے کسی کا جان بوجھ کر دشمنی میں قتل کیا تو اس کے بدلے اس کا قتل)

۴- قتل کے فیصلہ کرنے کے لیے صحیح ثبوت کا ثابت ہونا۔

۵- جان کی حفاظت کی ضمانت، (جیسے آج کے دور میں جان کی ضیاع کے خدشہ کی صورت میں سیکورٹی گارڈ وغیرہ کا استعمال، اور معاف کرنے کی صورت میں دیت کی ادائیگی)

۶- قتل کا فیصلہ ہونے کے بعد مقتول کے ورثہ سے معافی کا مطالبہ، اگر قاتل کے قتل کی وجہ سے کسی دوسرے کو نقصان پہنچنے کا خدشہ ہو تو فیصلہ کی تنفیذ میں تاخیر۔

۷- مقتول کے ورثہ کا قاتل کو معاف کر دینا۔

۸- مجبوری کی حالت میں حرام چیز کا مباح ہونا، (جیسے کھانا نہ ملنے کی صورت میں مردار کا قدر ضرورت مباح ہونا،

ایسے ہی خنزیر کا قدرضرورت مباح ہونا، اور نفس کے ضیاع کے خدشہ سے کسی انسان کی چیز کا استعمال کر کے اس کو اس کا بدلہ اور اس کی قیمت دینا، وغیرہ)

عقل کی حفاظت:

عقل اللہ رب العالمین کی بہت عظیم نعمت ہے اور یہی نعمت انسان اور حیوان کے درمیان حد فاصل ہے، کیونکہ اگر انسان سے یہ نعمت زائل ہوجائے تو وہ جانور کی طرح ہر کام کرتا پھرے گا اور اس کو کوئی شعور بھی نہیں ہوگا، اور اس کو یہ بھی نہیں پتہ ہوگا کہ کون سی چیز اسے فائدہ پہنچانے والی ہے اور کون سی چیز نقصان۔

عقل کی ان تمام چیزوں سے حفاظت کرنا جو اس کو نقصان پہنچانے والی ہیں ایک متفق علیہ امر اور ایک بدیہی چیز ہے، جس کا حکم تمام شرائع سماویہ نے صادر فرمایا ہے، اور ہماری شریعت اسلامیہ نے اس کی طرف سب سے زیادہ توجہ دی۔

سب سے پہلے تو اللہ تعالی نے قرآن میں عقل سے کام لینے کا حکم تقریبا چالیس مقامات پر دیا ہے مثلا سورہ أنعام میں ارشاد فرمایا: ان کنتم تعقلون. (آل عمران:۱۱۸) اور سورہ انعام میں فرمایا: لعلکم تعقلون. (الأنعام:۱۵۱)

اور اسی طرح عبرت اور نصیحت حاصل کرنے کا حکم دیا، فرمایا: لعلکم تذکرون. (الانعام:۱۵۲) اللہ تعالی کا مقصود اس سے یہ ہے کہ انسان اپنی عقل سے کام لے اور اس کی نشانیوں پر غور کرے اور اس سے عبرت حاصل کرے، اور اپنے نفع اور نقصان کو پہنچانے۔

اور رب العالمین کا غیر عاقلوں اور جنون زدہ لوگوں سے اسلام کے احکام کو اٹھا لینا عقل کی حفاظت کی اہمیت پر دلالت کرتا ہے، چنانچہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: رفع القلم عن ثلاثة : عن اا‌لنائم حتی یستیقظ ، وعن الصبی حتی یبلغ، وعن المجنون حتی یفیق. (سنن ابوداود: ۴۳۹۸، ۴۴۰۳) تین طرح کے لوگوں سے قلم اٹھا لیا گیا ہے، یعنی (وہ مکلّف نہیں ہیں) ایک سویا ہوا انسان یہاں تک کہ وہ بیدار ہوجائے، ایک بچہ یہاں تک کہ وہ بالغ ہوجائے، ایک جنون زدہ انسان یہاں تک کہ وہ عقل وفہم والا ہوجائے کیونکہ اللہ رب العالمین نے عقل والے انسان کو ہی احکام کا پابند بنایا ہے، تو گویا شرعی احکام کا مکلّف ہونا عقل کی وجہ سے ہے۔ (دیکھیں: المستصفی از غزالی: ص:۱۰۰، روضۃ الناظر: ۱/۱۳۷، شرح الکوکب المنیر: ۱/۴۹۸)

اسی طرح عقل کی ہی حفاظت کی خاطر اللہ تعالی نے عقل کو نقصان پہنچانے والی ہر چیز کو حرام قرار دیا ہے، اور عقل کو نقصان پہنچانے والی چیزیں دو طرح کی ہیں: ایک جو حسی طور سے عقل کو نقصان پہنچاتی ہیں، جنہیں: مفسدات حسیہ کہتے ہیں، دوسری جو معنوی طور سے عقل کو نقصان پہنچاتی ہیں، جنہیں: مفسدات معنویہ کہتے ہیں۔

مفسدات حسیہ وہ چیزیں ہیں جن سے انسان پاگل یا پاگل کی طرح ہوجاتا ہے، اور نہ وہ اچھے برے میں تمیز کر پاتا ہے اور نہ کھرے کھوٹے میں فرق، مثلا: شراب نوشی، نشہ آور چیزوں کا استعمال تھوڑا ہو یا زیادہ، چاہے اس مقدار قلیل سے نشہ نہ بھی آئے، اسی لئے اللہ رب العالمین نے قرآن میں شراب کے بارے میں ارشاد فرمایا: یاأیها الذین آمنوا إنما الخمر

والميسر والأنصاب والازلام رجس من عمل الشيطان فاجتنبوه لعلكم تفلحون☆انما يريد الشيطان ان يوقع بينكم العداوة والبغضاء فى الخمر والميسر ويصدكم عن ذكر الله وعن الصلاة فهل أنتم منتهون۔(المائدۃ:۹۰۔۹۱)،اے ایمان والو!بات یہی ہے کہ شراب،جواور تھان اور پانسے کے تیر یہ سب گندی باتیں ہیں،شیطانی کام ہیں،ان سے بالکل الگ رہو تا کہ تم فلاح یاب ہو،شیطان تو چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ سے تمھارے آپس میں عداوت اور بغض واقع کرادے اور اللہ تعالی کی یاد سے اور نماز سے تم کو باز رکھے سواب باز آجاؤ۔اور نبی کریم ﷺ نے ارشادفرمایا:ما أسكر كثيره فقليله حرام۔(سنن ابوداود:۳۶۸۱،سنن ابن ماجہ:۳۳۹۲) یعنی جس چیز کا زیادہ استعمال نشہ آور ہوتو اس کا تھوڑا استعمال بھی حرام ہے۔

مفسدات معنویہ وہ افکار وتصورات باطلہ ہیں جو دین میں شک پیدا کرے اور دینی تعلیمات پر عمل کرنے کو تخلف اور پچھڑی ہوئی قوم ہونے کی علامت بتلائے،جس کی وجہ سے انسان نہ تو دینی تعلیمات کی اہمیت دے اور نہ اس پر عمل کرے بلکہ جیسے اس کے سامنے اسلامی تعلیمات کا ذکر ہو اس کو اپنی رائے اور عقل غیر سلیم پر پرکھتے ہوئے کہہ دے کہ میرے عقل میں یہ بات نہیں آتی۔

اگر ہم عقل سے کام لیتے ہوئے شریعت اسلامیہ کے مقاصد اور رب العالمین کی بیش بہا نعمتوں کو نہیں سمجھ پاتے ہیں تو عقل کا ہونا اور نہ ہونا دونوں برابر ہے،چنانچہ رب العالمین کا ارشاد ہے:﴿وجعلنا لهم سمعا وأبصارا وأفئدة فما أغنى عنهم سمعهم ولا أبصارهم ولا أفئدتهم من شئ إذ كانوا يجحدون بأيات الله وحاق بهم ما كانوا به يستهزؤن﴾(الأحقاف:۲۶) ہم نے انہیں کان اور آنکھیں بھی دے رکھی ہیں لیکن ان کے کانوں اور آنکھوں اور دلوں نے کچھ فائدہ نہیں دیا جبکہ وہ لوگ اللہ تعالی کی آیتوں کا انکار کرنے لگے،اور وہ جس چیز کا مذاق اڑایا کرتے تھے وہی ان پر الٹ پڑی۔

عقل کی ہی حفاظت کے لئے اللہ کے نبی ﷺ نے شارب خمر(شراب پینے والا) پر حد قائم کرنے کا حکم دیا ہے جو ۸۰ کوڑے ہیں۔

نسل کی حفاظت:

نسل کی حفاظت ایک ضروری امر ہے کیونکہ اسی کے ذریعہ تناسل کا سلسلہ جاری رہ سکتا ہے۔اسی وجہ سے شریعت نے نکاح کو مباح قرار دیا اور زنا کو حرام قرار دیا کیونکہ زنا کے ذریعہ سے نسل کٹ جاتی ہے اور دنیا میں فساد عام ہوتا ہے۔اسی وجہ سے شریعت نے اسے حرام قرار دیا ہے۔

قباحت زنا کی وجہ سے اللہ رب العالمین نے ایک پاک صاف انسان کو زنا کرنے والوں سے نکاح کرنے سے منع کیا ہے،چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے:﴿الزانى لا ينكح إلا زانية أو مشركة والزانية لا ينكحها إلا زان أو مشرك وحرم ذلك على المؤمنين﴾(النور:۳)

حفاظت نسل ہی کی وجہ سے شریعت نے ان تمام امور سے منع کردیا ہے جو زنا کی طرف لے جانے والے ہیں،اور نسل

کی بقا کیلئے شریعت نے شادی کو مباح قرار دیا بلکہ اس پر اکسایا اور ایسی عورت سے شادی کرنے کا حکم صادر فرمایا جو زیادہ بچہ جنے، اور اسی وجہ سے تعدد زواج کو بھی مستحب اور مستحسن قرار دیا۔

اور دوسری طرف نسل کو کاٹنے والے امور سے منع کیا اور شادی نہ کرنے یا اس سے اعراض کرنے سے منع کیا، اور شادی کے بعد مانع حمل ادویہ کے استعمال سے منع کیا الا یہ کہ کوئی اضطراری صورت ہو تو بقدر حاجت استعمال کیا جا سکتا ہے، (جیسے حمل ہونے کی وجہ سے عورت کو نقصان پہنچے یا اس کی جان کو خطرہ ہو وغیرہ)۔

مال کی حفاظت:

مال ان ضروریات میں سے ہے جس کے بغیر انسانی زندگی مشکل ہے، اسی کے ذریعہ انسان اپنی ضروریات کو پورا کر سکتا ہے، اسی لیے اللہ تعالی نے کہا:﴿ولا تؤتوا السفهاء أموالكم التي جعل الله لكم قياما﴾(النساء:۵) یعنی بے عقل لوگوں کو اپنا مال نہ دے دو، جس مال کو اللہ تعالی نے تمہاری گزران کے قائم رکھنے کا ذریعہ بنایا ہے۔

مال کی حاجت تو ہر کسی کو ہے چاہے فرد ہو یا جماعت یا پوری امت، انسان اپنی ضروریات کو بغیر مال کے پوری نہیں کر سکتا۔

مال اللہ رب العالمین کی ان عظیم نعمتوں میں سے ایک ہے جس کو اللہ رب العالمین نے اپنے بندوں کے درمیان خود ہی تقسیم کیا ہے، اور کسی انسان کے ہاتھ میں کسی کی روزی نہیں دی ہے، جیسا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: "يا أيها الناس إن أحدكم لن يموت حتى يستكمل رزقه فلا تستبطئوا الرزق واتقوا الله أيها الناس وأجملوا في الطلب خذوا ما حل ودعوا ما حرم"۔ (صحیح ابن حبان: ۳۲۳۹، مستدرک حاکم: ۲۱۳۵، ۷۹۲۴، اس حدیث کو امام حاکم نے صحیح قرار دیا ہے اور امام ذھبی نے ان کی موافقت کی ہے اور امام البانی نے ان کی تائید کی ہے، دیکھیں: سلسلة الأحادیث الصحیحة: ۲۶۰۷)

اسی لئے شریعت نے مال کی حفاظت کے متعدد طریقے بیان کئے ہیں، جو مندرجہ ذیل ہیں:

۱-تجارت اور کسب معاش پر انسانوں کو ابھارا گیا ہے۔

۲-مال کو ضائع کرنا حرام ہے۔

۳-کسی دوسرے کے مال پر ظلم کرنا حرام ہے۔

۴-مشروعیت حدود، یعنی چوری اور ڈاکہ زنی کی حد۔

۵-اگر کسی کا مال کسی سے ضائع ہوا تو وہ اس کا ضامن ہوگا۔

۶-مشروعیت دفاع مال۔

۷-قرض لینے اور دینے کی صورت میں گواہ بنانا اور اس کو لکھ لینا۔

۸-گری پڑی چیز کا اعلان کرنا اور اس کو پہنچوانا۔ وغیرہ۔ (دیکھیں: الموافقات، از: شاطبی: ۱۸، ۳۲، اور مقاصد الشریعة الاسلامیہ، از: دکتور محمد سعد الیوبی، ص: ۲۷۸-۲۹۵)

☆☆☆

تعمیر کردار

تقویٰ کی اہمیت وفضیلت

(۲-۲) ابوالبیان رفعت سلفی رکرناٹک

(۷) تقویٰ کے چند اعلیٰ نمونے:

محمد رسول اللہ ﷺ کا تقویٰ اور خشیت الٰہی: عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وحی نازل ہونے سے پہلے ایک مرتبہ مقام بلدح کے نشیبی حصہ میں رسول اللہ ﷺ کی ملاقات زید بن عمر بن نوفل سے ہوئی، (بطور ضیافت) رسول اللہ ﷺ کے سامنے دسترخوان بچھایا گیا جس پر گوشت تھا، (مگر ذبح کے وقت اس پر بتوں کا نام لیا گیا تھا) تو رسول اللہ ﷺ نے اسے کھانے سے انکار کردیا اور فرمایا میں وہ گوشت نہیں کھاتا جو بتوں یا استھانوں کی قربانی کا ہو صرف وہی گوشت کھاتا ہوں جس پر ذبح کے وقت اللہ کا نام لیا گیا ہو۔ (صحیح بخاری، کتاب الذبائح والصید، ح:۵۴۹۹)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے نبی ﷺ نے فرمایا' (عبداللہ بن مسعود!) مجھے قرآن پڑھ کر سناؤ۔ مین نے عرض کیا، نبی ﷺ! آپ کو میں پڑھ کر سناؤں؟ جبکہ وہ (قرآن) آپ ﷺ ہی پر نازل ہوتا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''میں اسے دوسرے سے سننا چاہتا ہوں۔ چنانچہ میں نے آپ ﷺ کو سورۃ نساء سنانا شروع کیا، جب میں ﴿فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِن كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هَـٰؤُلَاءِ شَهِيدًا﴾ (بھلا اُس دن کیا حال ہوگا جب ہم ہر اُمت میں سے احوال بتانے والے کو بلائیں گے اور تمہیں اُن لوگوں کا (حال بتانے کو) گواہ طلب کریں گے) پر پہونچا تو آپ ﷺ نے فرمایا ''ٹھہر جاؤ!'' پس میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں۔ (صحیح بخاری، کتاب التفسیر، ح:۴۵۸۲)

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا تقویٰ:

ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا اتنے میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے کپڑے کا کنارہ پکڑے ہوئے، گھٹنا کھولے ہوئے تشریف لائے، نبی ﷺ نے یہ حالت دیکھ کر فرمایا ''معلوم ہوتا ہے تمہارے دوست کسی سے لڑ کر آئے ہیں'' پھر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حاضر ہو کر سلام کیا، اور عرض کیا یا رسول اللہ! میرے اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے درمیان کچھ تکرار ہوگئی ہے۔ اور اُس میں میں نے جلدی میں اُن کو سخت لفظ کہہ دیا، لیکن بعد میں مجھے سخت ندامت ہوئی تو میں نے ان سے معافی طلب کی، لیکن اب وہ مجھے معاف کرنے کے لئے تیار نہیں۔ اسی لئے میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں، آپ نے فرمایا اے ابوبکر! اللہ تمہیں معاف کرے۔ تین مرتبہ آپ ﷺ نے یہ جملہ ارشاد فرمایا۔ (اُدھر) عمر رضی اللہ عنہ کو بھی ندامت ہوئی، اور وہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر پہونچے اور پوچھا کیا ابوبکر موجود ہیں؟ جواب ملا کہ نہیں۔ اب عمر رضی اللہ عنہ بھی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پہونچ گئے اور

سلام کیا۔ نبی ﷺ کا چہرہ مبارک مارے غصہ کے متغیر ہوگیا، ابوبکر رضی اللہ عنہ مارے ڈر کے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر عرض کرنے لگے، یا رسول اللہ! اللہ کی قسم زیادتی میری ہی طرف سے تھی۔ یہ جملہ دو مرتبہ کہا۔ اس کے بعد نبی ﷺ نے فرمایا: ''اللہ نے مجھے تمہاری طرف نبی بنا کر بھیجا تھا تو تم لوگوں نے مجھ سے کہا تھا کہ تم جھوٹ بولتے ہو، لیکن ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا تھا کہ آپ سچے ہیں، اور اپنی جان ومال کے ذریعہ انہوں نے میری مدد کی تھی تو کیا تم لوگ میرے دوست کو ستانا چھوڑتے ہو یا نہیں؟ آپ ﷺ نے دو دفعہ یہی فرمایا، آپ ﷺ کے اس فرمان کے بعد پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کسی نے نہیں ستایا۔ (صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ۔ ح:۳۶۶۱)

عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا تقویٰ:

ایک مرتبہ عمر رضی اللہ عنہ رعایا کے بعض کاموں میں مشغول تھے (اسی دوران) ایک آدمی آیا اور اس نے کہا: اے امیر المومنین! میرے ساتھ چلیں، اور فلاں نے مجھ پر ظلم کیا ہے اس پر میری مدد کریں، (اتنا سننا تھا) کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے درّہ اٹھایا اور اس آدمی کے سر پر اتنے زور سے مارا کہ اس کا سر چکرا گیا، پھر آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس وقت تم عمرؓ سے شکایت نہیں کرتے جب وہ تمہارے پاس آتا ہے، اور جب مسلمانوں کے کاموں میں مشغول ہو جاتا ہے تب تم اس کے پاس آتے ہو۔ وہ آدمی اپنے آپ کو ملامت کرتے ہوئے واپس جانے لگا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اس آدمی کو میرے پاس لاؤ۔ جب دوبارہ وہ آپ کے سامنے حاضر کیا گیا تو آپؓ نے اپنا دُرّہ اس کے سامنے پھینک دیا اور کہا دُرّہ ہاتھ میں لے لو اور میرے سر پر اتنے ہی زور سے مارو جتنا زور سے میں نے تم کو مارا تھا۔ اس نے کہا ایسا نہیں ہوسکتا، اے امیر المومنین! میں اللہ کے لئے اور آپ کی عظمت کی وجہ سے اسے درگذر کرتا ہوں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس طرح نہیں، یا تو اسے اللہ کی رضا کے لئے اور اس سے ثواب کی خاطر معاف کردو یا مجھ سے بدلہ لے لو۔ اس نے کہا امیر المومنین! میں اللہ کے لئے اسے معاف کرتا ہوں۔ پھر وہ واپس چلا گیا۔ اور عمر رضی اللہ عنہ پیدل چل کر اپنے گھر میں داخل ہوگئے۔ (سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ص:۲۰۸، ۲۰۹)

(۸) تقویٰ کے فضائل وفوائد:

قرآن وحدیث کے اندر تقویٰ کے بے شمار فضائل وثمرات بیان کئے گئے ہیں جن کی تفصیل یہ موقع تو نہیں البتہ تقویٰ کے چند فضائل وفوائد پیش خدمت ہیں۔

۱- ہدایت کا حصول: قرآن مجید کے اندر اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کی سب سے پہلی فضیلت حصول ہدایت ہی کو قرار دیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے ﴿ذَلِكَ الْكِتَابُ لاَ رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ﴾ ''اس کتاب (کے اللہ کی کتاب ہونے) میں کوئی شک نہیں، پرہیزگاروں کو راہ دکھانے والی ہے''۔ (سورۃ البقرۃ:۲۔ ترجمہ جوناگڑھی)

علامہ قرطبیؒ ﴿هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ''قرآن کریم اگرچہ ساری مخلوق کے لئے ہدایت ہے مگر یہاں ہدایت کی نسبت متقیوں کی طرف ان کے شرف ومنزلت کو واضح کرنے کے طور پر ہے، کیونکہ وہ ایمان لائے اور قرآن میں جو کچھ ہے اس کی تصدیق کی۔ ابوروقؒ سے منقول ہے کہ ﴿هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ﴾ میں ہدایت کی نسبت متقین کی طرف ان

کی عزت افزائی اور عظمت شان کو واضح کرنے کے لئے کی گئی ہے۔(تفسیر قرطبی ج ا ص ۱۶۱)

علامہ نواب وحید الزماں حیدر آبادیؒ ﴿هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ ''جن کے لئے اللہ کی تقدیر میں متقی ہونا مقرر ہو چکا تو ان کو اس قرآن کریم سے تقویٰ حاصل ہو جاتا ہے، اور جن کے لئے تقویٰ مقدر نہیں وہ محروم رہ جاتے ہیں، جیسے بیمار دوا کھاتے ہیں جس کے نصیب میں صحت ہوتی ہے وہ شفایاب ہو جاتا ہے، اور جس کے واسطے صحت مقدر نہیں اور اسی بیماری سے اس کی موت مقدر ہے تو اس کو فائدہ نہیں ہوتا۔(تفسیر وحیدی ص:۳)

۲-محبت الٰہی: تقویٰ کا ایک بے نظیر فائدہ یہ ہے کہ تقویٰ کے ذریعہ ایک انسان اللہ رب کائنات کا محبوب بن جاتا ہے ﴿بَلَى مَنْ أَوْفَى بِعَهْدِهِ وَاتَّقَى فَإِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ﴾ ''ہاں البتہ جو شخص اپنا اقرار پورا کرے، اور پرہیزگاری کرے، تو اللہ بھی ایسے پرہیزگاروں کو دوست رکھتا ہے۔(سورۃ آل عمران:۷۶۔ترجمہ جوناگڑھی ص:۱۸۲)

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ: بیشک اللہ تعالیٰ ایسے بندے سے محبت کرتا ہے جو پرہیزگار، (لوگوں سے) بے نیاز اور پوشیدہ ہو (یعنی ریا نمود اور شہرت پسندی سے اجتناب کرنے والا ہو)۔(صحیح مسلم:۲۹۶۵)

۳-نور بصیرت: تقویٰ اختیار کرنے والوں کو اللہ عز وجل نے نور بصیرت عطا کرنے کی خوشخبری سنائی ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَآمِنُوا بِرَسُولِهِ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِن رَّحْمَتِهِ وَيَجْعَل لَّكُمْ نُوراً تَمْشُونَ بِهِ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ (سورۃ الحدید:۲۸) ''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، اللہ تمہیں اپنی رحمت سے دوہرا اجر عطا فرمائے گا، اور تمہیں وہ نور عطا فرمائے گا جس کے ذریعہ تم چلو گے، اور تمہارے گناہ معاف کردے گا اور اللہ بہت معاف کرنے والا نہایت مہربان ہے۔(ترجمہ ابوالکلام آزاد)

مولانا عبدالرحمٰن کیلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مذکورہ آیت کریمہ میں نور سے مراد ایک تو وحی الٰہی اور علم شریعت کی روشنی ہے۔ ایمان دار اسی روشنی میں اپنا طرز زندگی متعین کرتے اور اعمال صالحہ بجالاتے ہیں اور دوسرا وہ نور مراد ہے جو اعمال صالحہ کی بدولت مومنوں کو قیامت کے دن حاصل ہوگا۔ جیسا کہ اسی سورۃ کی آیت نمبر ۱۲ میں اللہ کا فرمان ہے ﴿يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ يَسْعَى نُورُهُم بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِم بُشْرَاكُمُ الْيَوْمَ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾ (سورۃ الحدید:۱۲) ''اس دن آپ دیکھیں گے کہ مومن مردوں اور مومن عورتوں کا نور ان کے سامنے اور دائیں جانب دوڑ رہا ہوگا (اور انہیں کہا جائے گا) آج تمہیں ایسے باغوں کی بشارت ہے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔ تم اس میں ہمیشہ رہو گے۔ یہی بڑی کامیابی ہے''۔

مولانا عبدالرحمٰن کیلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ معاملہ اس وقت پیش آئے گا جب میدان محشر میں فیصلہ کے بعد مومن مردوں اور عورتوں کو پروانہء راہداری مل جائے گا۔ پھر یہ بھی معلوم ہے کہ جنت کو جو راستہ جاتا ہے وہ جہنم (کے اوپر) سے ہو کر جاتا ہے ''ہر جنتی کو لازماً جہنم پر وارد ہونا ہوگا۔(۱۹:۷۱) اور پل صراط سے گزرنا ہوگا اور

اس راستے میں سخت تاریکی ہوگی۔وہاں مومنوں کے اعمال صالحہ کا نور ہی کام آئے گا۔جس قدر کسی کا ایمان پختہ اور نیک اعمال زیادہ ہوں گے اتنا ہی اس کا نور یا روشنی بھی زیادہ ہوگی۔(تفسیر تیسیر القرآن ج۴ص:۳۷۴)

علامہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں''وَاتَّقُواْ اللّٰهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ'' یہ اللہ کی جانب سے وعدہ ہے کہ جو کوئی اللہ سے ڈرے گا اللہ اسے سکھا دے گا یعنی اس کے دل میں ایسا نور پیدا کردے گا جس کے ذریعہ وہ سمجھ جائے گا جو اس کی طرف القا کیا جائے گا،اور اللہ تعالیٰ اس کے دل میں ابتداء فرقان رکھ دے گا،یعنی ایسی قوت پیدا کردے گا جس کے ذریعہ وہ حق وباطل کے درمیان تمیز کر سکے گا،اسی معنی میں اللہ کا یہ فرمان ہے:﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ إَن تَتَّقُواْ اللّٰهَ يَجْعَل لَّكُمْ فُرْقَاناً﴾(سورۃ الانفال:۲۹)''اے ایمان والو!اگر تم اللہ سے ڈرو گے تو وہ تمہیں نور بصیرت عطا کرے گا''۔(ترجمہ ڈاکٹر لقمان السّلفی)

۴-قبولیت اعمال:قبولیت اعمال کا دارومدار تقویٰ ہی پر ہے جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے ﴿إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ﴾(سورۃ المائدہ:۲۷)''اللہ تعالیٰ تقویٰ والوں ہی کا عمل قبول کرتا ہے''۔(ترجمہ جوناگڈھی)

ابن عطیہ ؒ فرماتے ہی﴿إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ﴾ میں تقویٰ سے مراد باجماع اہل سنت والجماعت شرک سے اجتناب کرنا ہے،جو شرک سے بچتا ہے وہ موحد کہلاتا ہے۔اس کے وہ تمام اعمال جس میں اس کی نیت خالص ہوتی ہے بارگاہ الٰہی میں مقبول ہوجاتے ہیں،شرک اور گناہوں سے بچنے والے(متقی)کے لئے بلند درجہ ہے،(نیز)قبولیت اور رحمت کے ساتھ خاتمہ ہے۔(تفسیر قرطبی،ج۶ص:۱۳۵)

۵-مشکلات سے نجات اور کشادہ روزی:فرمان الٰہی ہے﴿وَمَن يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجاً، وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾(سورۃ الطلاق:۲،۳)اور جو کوئی اللہ سے ڈرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے خلاصی کی کوئی نہ کوئی صورت پیدا کر دے گا،اور اسے ایسی جگہ سے رزق پہونچائے گا جہاں سے(کچھ ملنے کا)اسے خیال تک نہ ہو۔(ترجمہ ابوالکلام آزاد)

علامہ عبدالرحمٰن ناصر السعدی رحمہ اللہ نے﴿وَمَن يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجا﴾کی تفسیر کے تحت لکھا ہے کہ ''آیت کریمہ اگرچہ طلاق ورجوع کے سیاق میں ہے مگر اعتبار عموم لفظ کا ہے پس ہر وہ شخص جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اور اپنے احوال میں اس کی رضا کا التزام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ دنیا وآخرت میں اسے ثواب سے بہرہ مند کرتا ہے۔منجملہ اس کا ثواب یہ ہے کہ وہ ہر قسم کی سختی اور مشقت میں سے اس کے لئے فراخی اور نجات کا راستہ پیدا کرتا ہے۔اور جو کوئی اس سے نہیں ڈرتا وہ بوجھ تلے اور بیڑیوں میں جکڑا ہوا پڑا رہتا ہے جن سے گلوخلاصی اور ان کے ضرر سے نکلنے کی قدرت نہیں رکھتا۔

اسی طرح﴿وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ''اللہ تعالیٰ متقی شخص کے لئے ایسی جگہوں سے رزق پہنچاتا ہے جہاں سے رزق کا آنا اس کے وہم وگمان میں ہوتا ہے،نہ اسے اس کا شعور ہوتا ہے۔(تفسیر السعدی اردو ص:۲۷۹۱،۲۷۹۲)

۶-اولاد کی حفاظت:تقویٰ کے ثمرات صرف متقی شخص کی ذات تک ہی محدود نہیں رہتے بلکہ اس کی وفات کے بعد اس

کے تقویٰ کی برکتیں اس کے اولاد کو بھی حاصل ہوتی رہتی ہیں جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے﴿وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُواْ مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعَافاً خَافُواْ عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللّهَ وَلْيَقُولُواْ قَوْلاً سَدِيْداً﴾(سورۃ النساء:۹)''اور لوگوں کو (اس بات سے) ڈرنا چاہیے کہ (کسی حقدار کے حق میں ناانصافی کی جائے) اگر وہ اپنے پیچھے ناتواں اولاد چھوڑ جاتے، تو انہیں ان کی طرف سے کیسا کچھ اندیشہ ہوتا؟ (ایسا ہی دوسروں کے لئے بھی سمجھیں) پس چاہیے کہ اللہ سے ڈریں اور ایسی بات کہیں جو درست اور مضبوط ہو۔(ترجمہ ابوالکلام آزاد)

شیخ جمال الدین القاسمی رحمہ اللہ مذکورہ آیت کریمہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ''اس آیت کریمہ میں ایسے باپوں کی رہنمائی کی طرف اشارہ ہے جنہیں اپنے بعد کمزور اولاد چھوڑ جانے کا خوف لاحق ہے کہ وہ اپنی زندگی کے تمام معاملات میں تقویٰ اختیار کریں تاکہ اللہ تعالیٰ (ان کی وفات کے بعد) ان کی اولاد کی حفاظت فرمائے اور انہیں اپنی حفظ وامان میں رکھے۔اسی طرح تنبیہ وتہدید کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اگر وہ تقویٰ اختیار نہیں کریں گے تو ان کی اولاد ان کی وفات کے بعد ضائع ہوجائے گی۔اور اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ والدین کے تقویٰ سے اولاد کی حفاظت ہوتی ہے۔جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے﴿وَأَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلَامَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِيْ الْمَدِيْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهُ كَنزٌ لَّهُمَا وَكَانَ أَبُوهُمَا صَالِحاً فَأَرَادَ رَبُّكَ أَنْ يَبْلُغَا أَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنزَهُمَا رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ أَمْرِيْ ذَلِكَ تَأْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِع عَّلَيْهِ صَبْراً﴾(سورۃ الکھف:۸۲)''اور جو دیوار درست کی گئی (تو اس کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔وہ) شہر کے دو یتیم لڑکوں کی ہے۔جس کے نیچے ان کا خزانہ گڑا ہوا ہے۔ان کا باپ ایک نیک آدمی تھا پس تمہارے پروردگار نے چاہا کہ دونوں لڑکے اپنی جوانی کو پہونچیں اور اپنا خزانہ محفوظ پاکر نکال لیں (اگر دیوار گر جاتی تو ان کا خزانہ محفوظ نہ رہتا اس لئے ضروری ہوا کہ اسے مضبوط کر دیا جائے) یہ ان لڑکوں کے حال پر پروردگار کی ایک مہربانی تھی جو اس طرح ظہور میں آئی۔اور یاد رکھو میں نے جو کچھ کیا اپنے اختیار سے نہیں کیا (اللہ کے حکم سے کیا) یہ حقیقت ہے ان باتوں کی جن پر تم صبر نہ کر سکے۔(ترجمہ ابوالکلام آزاد)

علامہ جمال الدین القاسمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ''بیشک ان دونوں یتیم بچوں کے جان ومال کی حفاظت ان دونوں کے (فوت شدہ) والدین کے صلاح وتقویٰ کی وجہ سے کی گئی۔(تفسیر محاسن التاویل۔جمال الدین القاسمیؒ)

۷-سفر آخرت کے لئے سب سے عمدہ زادراہ: بیشک تقویٰ کو اللہ تعالیٰ نے سفر آخرت کے لئے سب سے بہتر زادراہ قرار دیا ہے فرمان الٰہی ہے﴿وَتَزَوَّدُواْ فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَى﴾(سورۃ البقرۃ:۱۹۷)''(پس حج کرو تو اس کے) سروسامان کی تیاری بھی کرو۔اور سب سے بہتر سروسامان (دل کا سروسامان ہے، اور وہ) تقویٰ ہے۔(ترجمہ ابوالکلام آزادؒ)

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اہل یمن زادسفر کے بغیر حج کا سفر کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم اللہ پر بھروسہ کرنے والے ہیں۔لیکن جیسے ہی مکہ پہونچتے لوگوں سے مانگنے لگتے تو ایسے موقع پر اللہ نے اس آیت کو نازل فرمایا:
﴿وَتَزَوَّدُواْ فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَى﴾(صحیح بخاری:۱۵۲۳)

علامہ داؤد راز رحمہ اللہ نے حدیث مذکور کی شرح میں لکھا ہے کہ''آیت شریفہ میں تقویٰ سے مراد مانگنے سے بچنا اور

اپنے مصارف سفر کا خود انتظام کرنا ہے۔اور یہ بھی کہ اس سفر سے بھی زیادہ اہم سفر،سفر آخرت درپیش ہے۔اس کا توشہ بھی تقویٰ، پرہیزگاری، گناہوں سے بچنا اور پاک زندگی گزارنا ہے۔(صحیح بخاری اردو ج۲ص:۵۴۴)

علامہ ابوالسعود العمادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ''تم اپنے سفر آخرت کے لئے تقوی کا توشہ جمع کرو اس لئے کہ تقویٰ سب سے بہترین توشہ ہے۔(ارشاد العقل السلیم الی مزایا الکتاب الکریم،سورۃ البقرۃ:۱۹۷)

دکتور عائض القرنی حفظہ اللہ ﴿وَتَزَوَّدُواْ فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَى﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ''تم سفر حج میں ضرور زاد سفر لیکر نکلو تا کہ وہ تمہارے سفر حج میں تمہارے کام آئے۔اور عمل صالح کے ذریعہ زاد آخرت کا انتظام بھی مت بھولو! کیونکہ سب سے عظیم زادِ سفرِ آخرت تقویٰ ہی ہے۔(التفسیر المیسر للدکتور عائض القرنی،ص:۴۴)

۸- شاہانہ ٹھاٹ باٹ کے ساتھ جنت میں داخلہ: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ متقیوں کی عزت وتکریم اور مہمان نوازی کا خصوصی انتظام فرمائے گا مثلاً جنت متقیوں کے بالکل قریب کردی جائے گی ﴿وَأُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِينَ غَيْرَ بَعِيدٍ﴾ (سورۃ ق:۳۱)''اور جنت پرہیزگاروں کے بالکل قریب کردی جائے گی کچھ بھی دور نہ رہے گی''(ترجمہ ابوالکلام آزادؒ)

☆ قیامت کے دن متقی لوگ شاہانہ ٹھاٹ باٹ کے ساتھ سواری پر بیٹھ کر وفد کی شکل میں جنت میں داخل کئے جائیں گے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿وَيَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ إِلَى الرَّحْمَنِ وَفْداً، وَنَسُوقُ الْمُجْرِمِينَ إِلَى جَهَنَّمَ وِرْداً﴾ (سورۃ مریم:۸۵)''جس دن ہم متقیوں کو رحمٰن کے پاس بحیثیت مہمان جمع کریں گے اور مجرموں کو جہنم کی طرف پیاسا ہانک کر لے جائیں گے''۔

ڈاکٹر محمد لقمان السلفی حفظہ اللہ فرماتے ہیں''قیامت کے دن اہل تقویٰ اللہ کے سامنے وفد کی شکل میں پہونچیں گے۔عربی زبان میں''وفد'' کا معنی شاہوں اور عظمائے قوم کے سامنے انعامات ومکافات حاصل کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ گویا آیت کریمہ ﴿وَيَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ إِلَى الرَّحْمَنِ وَفْدا﴾ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ جل جلالہ کے دربار میں اس کے اہل تقویٰ بندے معزز ومکرم پہنچیں گے،اس کی جانب سے انعامات ومکافات پائیں گے،اور حسین وجمیل اونٹوں پر سوار ہوکر جنت کے دروازے پر پہونچ جائیں گے اور جو مجرمین ہوں گے وہ نہایت اہانت آمیز پیاسے جانوروں کے مانند جہنم کی طرف ہانک دئے جائیں گے۔(تفسیر تیسیر الرحمٰن لبیان القرآن ص:۸۸۵)

☆ جنت کے دروازوں پر پہونچتے ہی فرشتے متقیوں کو سلام اور خوش آمدید کہیں گے اور نہایت احترام واشتیاق کے ساتھ ان کے لئے دروازے کھول دیں گے۔ارشاد ربانی ہے ﴿وَسِيقَ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ إِلَى الْجَنَّةِ زُمَراً حَتَّى إِذَا جَاؤُوهَا وَفُتِحَتْ أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوهَا خَالِدِينَ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي صَدَقَنَا وَعْدَهُ وَأَوْرَثَنَا الْأَرْضَ نَتَبَوَّأُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَاء فَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ﴾ (سورۃ الزمر:۷۳،۷۴)''اور جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے تھے ان کے گروہ کے گروہ جنت کی طرف روانہ کئے جائیں گے یہاں تک کہ جب اس کے پاس آجائیں گے اور دروازے کھول دئے جائیں گے،اور وہاں کے نگہبان ان سے کہیں گے تم پر سلام ہو،تم خوش حال رہو،تم اس میں ہمیشہ کے لئے چلے جاؤ۔یہ(جنتی) کہیں گے اللہ کا شکر ہے جس نے ہم سے اپنا وعدہ پورا کیا،اور ہمیں اس زمین کا وارث بنا دیا کہ جنت میں

جہاں چاہیں مقام کرلیں پس عمل کرنے والوں کا کیا ہی اچھا بدلہ ہے۔(ترجمہ جونا گڈھی)

(۹) متقیوں کی چند صفات:

قرآن وحدیث میں متقیوں کی بیشمار صفات بیان کی گئی ہے جن میں سے چند صفات حسب ذیل ہیں۔

۱- متقی لوگ سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں۔(سورۃ البقرۃ:۱۶)

۲- متقی لوگ بن دیکھے اپنے پروردگار(اللہ تعالیٰ) سے ڈرتے ہیں۔(سورۃ الملک:۱۲)

۳- متقی لوگ غیب(قیامت، جنت، جہنم، عذاب قبر وغیرہ) پر پختہ یقین رکھتے ہیں۔(سورۃ البقرۃ:۳)

۴- متقی لوگ اپنی نمازوں کی محافظت کرتے ہیں۔(سورۃ المومنون:۹)

۵- متقی لوگ خوشی اور غم ہر حال میں اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔(سورۃ آل عمران:۱۳۴)

۶- متقی لوگ اعمال صالحہ کرنے کے باوجود ڈرتے رہتے ہیں کہ کہیں اللہ تعالیٰ ان کی نیکیوں کو رد نہ کردے۔(سورۃ المومنون:۶۰)

۷- متقی لوگ کبیرہ گناہوں سے اجتناب کرتے ہیں اور صغیرہ گناہوں پر اصرار نہیں کرتے۔(سورۃ النجم:۳۲)

۸- متقی لوگ غصہ میں آکر بے قابو نہیں ہوجاتے اور لوگوں کے قصور بخش دیتے ہیں۔(سورۃ آل عمران:۱۳۴۔ترجمہ ابوالکلام آزاد)

۹- متقی لوگ نہ اللہ کے ساتھ کسی دوسرے پکارتے ہیں، نہ کسی نفس کو ناحق قتل کرتے ہیں نہ ہی زنا نہیں کرتے ہیں۔(سورۃ الفرقان:۶۸)

۱۰- متقی لوگ ہمیشہ اپنے عہد وپیمان کا پاس ولحاظ رکھتے ہیں۔(سورۃ المعارج:۳۲)

۱۱- متقی لوگ اللہ کے سوا کسی نہیں ڈرتے۔(سورۃ الاحزاب:۳۹)

۱۲- متقی لوگ جب اللہ کا ذکر سنتے ہیں تو ان کے دل دہل جاتے ہیں۔(سورۃ الانفال:۲)

۱۳- متقی لوگ صرف اللہ کی محبت میں مسکینوں یتیموں اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔(سورۃ الدھر:۹)

۱۴- متقی لوگ اپنے رب کی جانب سے اس دن سے ڈرتے ہیں جو بہت اداسی اور سختی والا دن ہوگا۔(سورۃ الدھر:۱۰)

۱۵- متقی لوگ سحر کے وقت(بیدار ہوکر) اپنے رب سے مغفرت طلب کرتے ہیں۔(سورۃ الذاریات:۱۸)

۱۶- متقی لوگوں کے دلوں کو صرف اللہ کے ذکر سے سکون ملتا ہے۔(سورہ الرعد:۲۸)

۱۷- متقی لوگوں کو جب اللہ اور اس کے رسول کے فیصلے کی طرف بلایا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں ہم نے سن لیا اور مان بھی لیا۔(سورۃ النور:۵۱)

۱۸- متقی لوگوں کو اگر شیطان کی وسوسہ اندازی سے کوئی خیال چھو بھی جاتا ہے تو فوراً چونک اٹھتے ہیں اور پھر(پردۂ غفلت اس طرح ہٹ جاتا ہے گویا) اچانک ان کی آنکھیں کھل گئیں۔(سورۃ الاعراف:۲۰۱۔ترجمہ ابوالکلام آزاد)

۱۹- متقی لوگ ہمیشہ اپنے رب سے دعائیں کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم سے جہنم کے عذاب کو دور کردے، اس کا عذاب تو ہمیشہ کی تباہی ہے۔(سورۃ الفرقان:۶۵، ترجمہ ابوالکلام آزاد) ☆☆

یادرفتگاں

مولانا عبدالسلام رحمانی

اہل بنارس کی نظر میں

مولانا محمد یونس مدنی /استاذ جامعہ سلفیہ، بنارس

الحمد لله رب العالمين والعاقبة للمتقين والصلاة والسلام على خاتم النبيين.

بلاشبہ متحدہ ہندوستان میں جماعت اہل حدیث دینی، علمی، سیاسی اور اقتصادی اعتبار سے بڑی مستحکم اور مضبوط جماعت تھی، لیکن تقسیم ہند کے بعد جماعت کا شیرازہ منتشر ہوگیا اور جونا قابل تلافی نقصان ہوا وہ انتہائی المناک تھا۔ علماء کرام کی ایک بڑی تعداد پاکستان ہجرت کرگئے، علمی اثاثے ضائع ہوگئے اور دارالحدیث رحمانیہ دہلی جو سلفیان ہند کے لیے مرجع تھا، اجڑ گیا، جہاں قال اللہ اور قال الرسول کی صدائے دلنواز بلند ہوتی تھی، یکلخت بند ہوگئی، بانیان مدرسہ جامعہ رحمانیہ دہلی پاکستان ہجرت کرگئے۔

دارالحدیث رحمانیہ دہلی کی تاریخ پڑھئے اس کے بکھرے ہوئے اوراق اپنے اندر عبرت وموعظت کا بڑا سامان لیے ہوئے ہیں: ﴿لقد كان في قصصهم عبرة لأولي الألباب﴾ (سورہ یونس: آیت نمبر ۱۱۱)

افسوس کہ اس فقید المثال درسگاہ نے صرف زندگی کے ۲۷ ستائیس بہاریں دیکھیں، پھر خزاں کے یک ہی جھونکے نے چشم زدن میں اسے ویران کردیا، نہ مہتمم ومنتظم رہے، نہ اساتذہ وطلبہ، یہ تھا آزادیٔ ہند کا ثمرہ۔ (مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ دہلی، ص: ۱۸)

اسی باوقار ادارہ میں استاذ محترم مولانا عبدالسلام صاحب رحمانیؒ نے علمی پیاس بجھانے کے لیے داخلہ لیا، یہ ۱۹۴۷ء کا زمانہ تھا، دہلی میں شورش برپا تھی، لوٹ مار اور قتل وغارت گری کے واقعات ہورہے تھے، مولاناؒ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ ۳/ماہ ۱۳/دن دہلی میں گزارنے کے بعد نومبر ۱۹۴۷ء میں لکھنؤ کے لیے روانہ ہوگئے، اور بفضل الٰہی اپنے خویش واقارب کے درمیان پہنچ گئے، جس سے وہ لوگ بے حد خوش ہوئے۔ (عبدالسلام رحمانی: دیار غیر میں، ص: ۲۸۴)

دہلی کے بعد سراج العلوم بونڈھیار میں تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا، پھر جامعہ رحمانیہ مدن پورہ بنارس میں داخلہ لیا، مولانا نذیر احمد املویؒ جو دہلی میں استاذ تھے، بنارس میں بھی آپ کے استاذ ہوگئے، مارچ ۱۹۵۸ء میں آپ نے جامعہ رحمانیہ سے سند فضیلت حاصل کی۔

فراغت کے بعد مختلف صوبوں میں دعوت وتبلیغ اور تدریس کا فریضہ انجام دیتے ہوئے ۱۹۶۶ء میں جامعہ رحمانیہ بنارس میں تدریس کے لیے آپ کی تقرری ہوگئی اور لگ بھگ سات سال تک تدریسی فرائض انجام دیئے۔ تقبل الله مساعيه۔ (دیار غیر میں ص: ۲۸۹)

بنارس میں مولانا موصوف رحمہ اللہ کی تبلیغی سرگرمیاں:

مولانا عبدالسلام رحمانیؒ درس وتدریس کے ساتھ وعظ وارشاد اور دعوت وتبلیغ کا فریضہ بھی انجام دیتے رہے، بنارس میں ۱۹۶۶ء سے ۱۹۷۲ء تک اپنے قیام کے دوران درس وتدریس کے ساتھ مختلف مواقع اور جلسوں میں تقریریں کرتے رہے، کبھی عقیدۂ توحید پر زور دیتے، اور کبھی اصلاح معاشرہ کی کوشش کرتے، قیام بنارس کے دوران آپ نے مسجد نیمیاں میں مستقل خطابت کا فریضہ انجام دیا، میں نے آپ کی کئی تقریریں مسجد نیمیاں میں سنیں اور مولانا کی ایک تقریر میں نے مسجد باگڑ بلی میں بھی سنی جو بہت زیادہ پسند کی گئی۔

بنارس سے چلے جانے کے بعد بھی جب کبھی بنارس تشریف لاتے تو آپ کے دوست واحباب باصرار آپ سے تقریر کا مطالبہ کرتے، اگر جمعہ ہوتا تو خطبۂ جمعہ دیتے اور جمعہ نہ ہوتا تو مسجد نیمیاں میں آپ کی تقریر کرائی جاتی تھی، لوگ بہت غور سے سنتے اور مستفید ہوتے، آپ بنارس والوں سے محبت کرتے اور بنارس والے آپ سے محبت کرتے۔ جزاهم الله خيرا۔

اجلاس عام:

۴؍نومبر ۱۹۹۵ء بروز سنیچر بعد نماز عشاء بمقام جے نرائن انٹر کالج ریوڑی تالاب بنارس میں ایک عظیم الشان اجلاس کا اہتمام کیا گیا تھا، یہ دعوتی اور اصلاحی پروگرام تھا جس کے انتظام کی باگ ڈور ''اتحاد ابناء السلفیۃ'' بنارس نے اپنے ہاتھ میں لی تھی۔

جامعہ سے تھوڑی دور جے نرائن انٹر کالج کے وسیع میدان میں لگا ہوا پنڈال سامعین سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا، اس میں بڑے بڑے مقررین حضرات نے تقریریں کی تھیں، مقررین کے نام یہ ہیں:

۱-فضیلۃ الشیخ صلاح الدین مقبول احمد مدنی

۲-فضیلۃ الشیخ عبدالواحد مدنی، صفا کالج ڈومریا گنج

۳-فضیلۃ الشیخ عبداللہ عبدالتواب مدنی، نگراں مدرسہ خدیجۃ الکبری نیپال

۴-فضیلۃ الشیخ رضاء اللہ عبدالکریم مدنی

۵-فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر فضل الرحمٰن، شیخ الجامعہ جامعہ محمدیہ مالیگاؤں

تمام مقررین نے اپنے اپنے انداز میں بڑی عمدہ تقریریں کیں، جے نرائن انٹر کالج کا یہ پروگرام آج بھی یاد کیا جاتا ہے، مجھے اپنے دوست عبداللہ جھڈ انگری حفظہ اللہ کا ایک جملہ یاد ہے، انہوں نے کہا کہ'' کاشی کے بتکدے میں جامعہ سلفیہ کا وجود اسلام کا ایک زندہ معجزہ ہے''۔ اس عظیم الشان اجلاس کی صدارت کا فریضہ استاذ محترم جناب مولانا عبدالسلام رحمانیؒ نے انجام دیا تھا۔ آخر میں آپ نے قرآن کریم کی آیت کریمہ ﴿يا أيها الذين آمنوا قوا أنفسكم وأهليكم نارا﴾ (سورہ تحریم: آیت نمبر۶) کی بہترین تفسیر وتشریح کی تھی۔ آپ کی صدارت میں اجلاس ہر طرح سے کامیاب رہا، جسے آج بھی اہل بنارس یاد کرتے ہیں۔ جزاہ اللہ خیرا لجزاء۔ (ماہنامہ آثار جدید دسمبر ۱۹۹۵ء)

مجھے بھی مولاناؒ سے شرف تلمذ رہا ہے، میں نے مولانا سے باکورۃ الأدب، قصص النبیین، النحو الواضح وغیرہ جیسی اہم کتابیں پڑھی ہیں۔ ذیل میں مولانا کے چند ممتاز شاگروں- جنہوں نے جامعہ رحمانیہ میں مولانا سے تعلیم حاصل کی- کا ذکر کیا جارہا ہے جو مختلف علمی، دعوتی، تدریسی اور تصنیفی کاموں میں مصروف ہیں:

مولانا شاہد جنید صاحب صدر جامعہ سلفیہ بنارس، مولانا عبداللہ سعود صاحب ناظم اعلی جامعہ سلفیہ بنارس، مولانا عبیداللہ طیب مکی، مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی، مولانا عبداللہ زبیری، ڈاکٹر محمد ابراہیم مدنی، ڈاکٹر جاوید اعظم وغیرہ۔

ہمارے رفقائے درس (جو مولانا رحمہ اللہ کے شاگرد ہیں):

۱-مولانا شمیم احمد خلیل احمد سلفی (قطر) ۲-محمد اسماعیل بن محمد بشیر مدنی (شارجہ)

۳-مولانا عبداللہ عبدالتواب جھنڈانگری (نیپال) ۴-ڈاکٹر سعید احمد بن عبدالوہاب جھنڈانگر (نیپال)

۵-مولانا راحت اللہ عظمت اللہ مدنی (جامعہ محمدیہ مالیگاؤں) ۶-مولانا نسیم اختر عبدالباقی فیض عام (مئو)

سب اپنے اپنے میدان میں دعوت وتبلیغ اور درس وتدریس کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ تقبل الله مساعيهم.

مجھے استاذ محترم مولانا عبدالسلام رحمہ اللہ سے والہانہ محبت تھی، جامعہ رحمانیہ بنارس سے جاچکے تھے، پھر بھی قدم قدم پر میری رہنمائی فرماتے، جب ''ترجمان'' دہلی کے ایڈیٹر تھے، تب میں نے طالب علمی کے زمانے میں ایک مضمون ''اسلام میں پڑوسی کے حقوق'' پر لکھا تھا، مولانا نے نہ صرف یہ کہ ترجمان میں شائع کیا بلکہ ہمت افزائی کے لیے ایک خط بھی لکھا جس سے مجھے بڑی خوشی ہوئی اور وہی خط میرے لیے آگے قدم بڑھانے کا ذریعہ بنا۔ دوبار کویت میں مولانا سے ملاقات ہوئی، وہ جامعہ سراج العلوم کے مندوب تھے، میں اور مولانا احسن جمیل مدنی جامعہ سلفیہ کے مندوب تھے، بڑی شفقت ومحبت سے پیش آتے، درس وتدریس اور دعوت وتبلیغ میں محنت کی تلقین کرتے۔ جب مجھے جامعہ سلفیہ میں شیخ الجامعہ کا منصب دیا گیا تھا تو مولانا نے فوراً مبارکبادی کا خط لکھا اور دعائیں دیں۔ آخری ملاقات اس وقت ہوئی جب آپ کی بیماری شروع ہوچکی تھی اور آپ جامعہ سلفیہ کی مجلس عاملہ کی میٹنگ میں تشریف لائے تھے، تب مجھے ان کی خدمت کا خوب موقع ملا۔ اللهم اغفر له وارحمه ووسع مدخله.

۱۹۳۸ء میں وجود میں آنے والی یہ عظیم شخصیت ۲۹/دسمبر ۲۰۱۳ء میں ہمیشہ کے لیے خاموش ہوگئی۔ إنا لله وإنا إليه راجعون.

دعا ہے کہ رب رحیم وکریم مولانا کی نیکیوں اور حسنات کو شرف قبولیت بخشے اور ان کی خطاؤں کو معاف فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلی مقام عطا فرمائے، آمین۔

خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

محمد یونس مدنی

مدرس جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس

مولانا کے چند اہم شاگردوں کے تاثرات:

شیخ عبداللہ مکی حفظہ اللہ مدرس جامعہ سلفیہ بنارس:

اللہ رب العالمین اس جہان فانی، عالم رنگ وبو میں بعض ایسی یکتائے روزگار اور ضرب المثل شخصیتیں پیدا کرتا ہے جو یادداشت کے پردوں میں انمٹ نقوش چھوڑ دیتی ہیں اور جن کی رحلت نہ صرف ایک فرد بلکہ پوری ملت کے لیے باعث اسف ہوتی ہے۔

ایسے مقبول زمانے میں کہاں ہوتے ہیں آج تک جن کے لیے اہل جہاں روتے ہیں

ایسی ہی تاریخی شخصیات میں استاذ گرامی مولانا عبدالسلام رحمانیؒ کا نام ہے جو بے حد خلیق، ملنسار، مردم شناس تھے، تعلیم وتربیت، ظرافت وخوش طبعی، نظافت ودیدہ زیبی، کثرت اسفار اور معلومات عامہ کے سبب اپنے ہم عصروں میں ممتاز تھے۔ ۱۹۶۶ء میں جب موصوف نے جامعہ رحمانیہ بنارس کے مسند تدریس کو رونق بخشی تو راقم کو بھی ان سے شرف تلمذ حاصل ہوا، آج میں جامعہ سلفیہ میں ''طرق التدریس'' کا مادہ پڑھاتا ہوں، اس ضمن میں ایک کامیاب مدرس کے جو اوصاف وکوائف میں طلبہ کو بتلاتا ہوں وہ سب میں اپنے استاذ موصوف میں پاتا تھا، ایسا دلکش انداز بیان، حاضر جوابی، تجاوب کامل، افہام وتفہیم کا ملکہ، عبارت خوانی وفہمی میں قواعد کی پوری رعایت نیز طلبہ سے اس کا التزام، یہ سارے مظاہر آج بھی حافظہ میں محفوظ ہیں۔ ان کے علاوہ جماعت اعلی عہدوں پر فائز ہونے کی وجہ سے نظامت اور ادارت کا عمدہ تجربہ تھا۔ بحث وتحقیق، تصنیف وتالیف، صحافت ومقالہ نگاری کے فن سے بخوبی واقف تھے، شعر وادب سے گہری دلچسپی تھی، موقع کی مناسبت سے اشعار وواقعات سے اپنی گفتگو کو مزید کرنے کا ہنر بخوبی آتا تھا۔ غرضیکہ کیا کچھ بیان کروں استاذ گرامی اپنی ذات میں انجمن تھے۔ آج مولانا ہم میں نہیں ہیں، لیکن ان کی یادیں تادم حیات ہمیں رلاتی رہیں گی، مولا ان کی مغفرت فرمائے، ان کی لغزشوں کو درگذر کرے اور ان کو اعلی علیین میں جگہ نصیب فرمائے، نیز ان کے پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے، آمین۔

موت اس کی ہے کرے جس پہ زمانہ افسوس
یوں تو آتے ہیں سبھی دنیا میں مرنے کے لیے

سوگوار: عبیداللہ طیب مکی
جامعہ سلفیہ بنارس

موت العالم موت العالم:

استاذ گرامی حضرت مولانا عبدالسلام رحمانیؒ (م: ۲۵ر صفر ۱۴۳۵ھ = ۲۹ر دسمبر ۲۰۱۳ء) کی شخصیت نہایت ہمہ جہت تھی۔ آپ کی مساعی جمیلہ تدریس ودعوت کے تمام میدانوں کو محیط ہے۔

جامعہ رحمانیہ بنارس کے عربی شعبہ کے ابتدائی درجات میں آپ سے شرف تلمذ حاصل ہوا، اور بالخصوص عربی ادب

وقواعد کی تعلیم کا موقع ملا۔آپ کا انداز نہایت مشفقانہ اور ناصحانہ ہوتا تھا۔آپ طلبہ کے ساتھ اس قدر مشفق اور ملنسار تھے کہ ہر طالب علم اپنے کو حضرت استاذ ؒ سے سب سے زیادہ قریب سمجھتا تھا۔ایک کامیاب مدرس، مربی ہونے کے ساتھ آپ ظریف الطبع اور خوش پوش بھی تھے۔اور اپنی اسی صفت سے اہل مدن پورہ کے درمیان معروف اور محبوب تھے۔حتی کہ آج بھی ان سے تعلق رکھنے والے احباب جماعت ان کے اونچے اخلاق اور منفرد طبیعت کا ذکر کرتے ہیں۔

استاذ گرامی رحمہ اللہ سے متعلق اپنی تحریر میں شیخ صلاح الدین حفظہ اللہ نے ابتداءً جو کچھ لکھا ہے وہ نہایت جامع ہے، اور آپ کی اعلی صفات ومساعی جمیلہ کو سمجھنے کے لیے کافی ہے، آپ لکھتے ہیں:

''مولانا عبدالسلام رحمانی رحمہ اللہ تعلیم وتربیت، اخلاق وآداب، ظرافت وخوش طبعی، نظافت وخوشی پوشی، کثرت اسفار اور معلومات عامہ وغیرہ کے سبب اپنے ہم عصروں میں ممتاز تھے، ان میں تدریس وتحریر کی اعلی صلاحیت تھی، جماعت کے اعلی ترین عہدوں پر فائز ہونے کی وجہ سے نظامت وادارت کا عمدہ تجربہ تھا، دعوت وتبلیغ، مسلکی غیرت وحمیت اور جماعت وتنظیم وشیرازہ بندی کے لیے دوروں میں ان کا اہم کردار رہا ہے، بحث وتحقیق، تصنیف وتالیف، صحافت ومقالہ نگاری کے فن سے بخوبی واقف تھے، شعر وادب سے گہری دلچسپی رکھتے تھے، درحقیقت انہیں موقع بہ موقع اشعار وواقعات سے اپنی گفتگو کو مزین کرنے کا ہنر آتا تھا''۔(ماہنامہ محدث بنارس، مارچ ۲۰۱۴ء)

مولانا احسن جمیل مدنی حفظہ اللہ
ناظم اعلی کلیہ امہات المومنین گرلس کالج
مدن پورہ، بنارس

مولانا عبدالسلام صاحب رحمانی کی وفات حسرت آیات میرے لیے ایک صدمۂ جانکاہ ہے۔وہ ایک مثالی استاذ اور مصنف تھے۔ان کا تدریسی انداز نرالا اور بے حد دل نشین تھا۔جامعہ رحمانیہ سے بنارس ہندو یونیورسٹی تک بہت سے اساتذہ سے پڑھا اور ان سے فیض اٹھایا، لیکن ہم نے مولانا رحمانی صاحب جیسا استاذ کہیں نہیں پایا۔وہ تنہا استاذ تھے جن کے پیریڈ کا انتظار لڑکے کرتے تھے۔

پڑھاتے وقت موقع بموقع اشعار پڑھتے ہنسانے اور سبق کو بار نہ بننے دیتے۔مولوی ثالث اور مولوی رابع کی کئی کتابیں ان سے پڑھیں۔مشکوۃ جلد اول اور قدوری انہوں نے ہی پڑھایا۔طلباء کو قریب رکھتے، عشاء بعد بچوں کے کمرے میں جاتے، ان کا حال چال لیتے، گرمیوں کے دنوں میں جمعہ کی صبح فجر بعد بچوں کو لے کر گنگا پانڈے گھاٹ جاتے، خود بھی تیراکی کرتے اور تیراکی نہ جاننے والے بچوں کو تیراکی سکھلاتے۔تربیت کا یہ انداز آج کل ہم اساتذہ میں کہاں؟ غلطیوں پر سزا بھی دیتے لیکن انداز مشفقانہ ہوتا۔مولانا بہت نفاست پسند تھے، بستر ہمیشہ بے شکن ہوتا، دو یا تین تکیہ استعمال کرتے۔باہر

نکلتے تو ہاتھ میں ایک رومال ضرور ہوتا۔ ان کی تدریسی زندگی تعلیم وتربیت کے لیے بے مثال نمونہ ہے۔ اللہ رب العالمین ان کی مغفرت فرمائے۔ آمین۔

مولانا ابوالقاسم ابوالخیر فاروقی

استاذ جامعہ سلفیہ، ریوڑی تالاب، بنارس

آہ! استاذ محترم مولانا عبدالسلام رحمانی رحمۃ اللہ علیہ

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

استاذ محترم مولانا عبدالسلام رحمانی رحمہ اللہ کے سانحۂ ارتحال کی خبر بجلی بن کر گری اور دل ودماغ میں دھواں بھر گیا، یہ خبر سن کر بے ساختہ ذہن میں یہ بات آئی کہ ماضی قریب میں اکابر سلفی علماء ایک ایک کرکے اپنی جگہ خالی کرتے جارہے ہیں اور ایک نہیں کئی خلا ایسے پیدا ہوگئے ہیں جن کا پُر ہونا ناممکن نہیں لیکن مشکل ضرور نظر آرہا ہے۔

ایسا ہی ایک خلا استاذ محترم مولانا عبدالسلام کے انتقال پُر ملال کی وجہ سے جماعت اہل حدیث میں بھی ہوگیا ہے، جس کی نشأۃ ثانیہ کے معماوں میں سے استاذ محترم کا نام بھی زریں حروف میں لکھا جائے گا۔

مولانا مرحوم کی شاگردی کا شرف مجھے بھی سنہ ۶۷-۱۹۶۶ء میں ملا۔ اس مختصر سی شاگردی کی وجہ سے میں مولانا کا گرویدہ ہوگیا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے سانحۂ ارتحال کی خبر سن کر مجھے بے حد قلق ہوا۔

مولانا کی شخصیت گوناگوں خوبیوں کا مرقع تھی۔ آپ عالم دین ہونے کے ساتھ ایک مبلغ، ایک خطیب، ایک مصنف، ایک سیاح اور ایک اعلی پایہ کے منتظم بھی تھے۔ سیاحت وتبلیغ کے سلسلے میں دنیا کے تقریباً تمام ہی براعظموں کا سفر کرچکے تھے۔

ان سفروں سے آپ نے بے شمار تجربات حاصل کیے جن کا اظہار آپ سے ملاقاتوں میں ہوتا رہا۔ اور جماعت اہلحدیث نے بھی اس سے خاطر خواہ استفادہ کیا۔

اللہ تعالی مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت عطا فرمائے اور پس ماندگار کو صبر جمیل عطا فرمائے، آمین۔

مولانا عزیز الرحمٰن سلفی

استاذ جامعہ رحمانیہ بنارس

۲۹ر دسمبر ۲۰۱۳ء کا دن وہ افسوسناک دن تھا، جس دن یہ خبر آئی کہ استاذ محترم مولانا عبدالسلام رحمانی اب اس دار فانی میں نہیں رہے۔ اللہ ان کی مغفرت فرمائے اور اعلی علیین میں جگہ عطا فرمائے۔

موصوف نہایت خوش اخلاق، خوش مزاج شخصیت کے مالک تھے، جہاں بھی رہتے اپنی علمی صلاحیت وظرافت سے

اہل محفل کو اپنا گرویدہ بنا لیتے، آپ ایک لائق وقابل استاذ ہی نہیں بلکہ ایک کامیاب مبلغ وبہترین مقرر بھی تھے، اپنی گوناگوں صلاحیتوں ہی کی بنیاد پر آپ نے مختلف اداروں میں کارہائے نمایاں انجام دیا۔ یہاں تک کہ آپ نے جماعت اہل حدیث کی باگ ڈور بحیثیت ناظم اعلی سنبھالی، طالب علمی کے زمانہ سے ہی آپ کی تحریری میدان میں ایک خاص ملکہ حاصل تھا، جس کی بنیاد پر آپ کے مضامین رسائل وجرائد میں شائع ہوتے رہتے اور یہی وہ ملکہ تھا جس نے آپ کو مختلف جرائد ومجلّات نیز جمعیت اہلحدیث سے شائع ہونے والے جریدہ پندرہ روزہ ترجمان کا مدیر بنادیا۔

آپ سیر وسیاحت کے بڑے دلدادہ تھے، آپ نے دنیا کے تقریبا سبھی ممالک کا بحیثیت مبلغ دین دورہ بھی کیا۔

اس خاکسار کو بھی ۱۹۷۱ء-۱۹۷۲ء میں شاگردی کا شرف حاصل رہا ہے۔ آپ کی شفقت ومہربانی اور طریقۂ درس وتدریس آج بھی اس کے لیے مشعل راہ ہے۔

مولانا عبدالاول بنارسی

پرنسپل جامعہ رحمانیہ، مدن پورہ، بنارس

بنارس میں مولانا کے بہت سارے دوست واحباب تھے، ان میں سے کچھ فوت ہوگئے اور کچھ باحیات ہیں، انہیں دوستوں میں ۷۵ سالہ حاجی محمد صاحب بازار سدانند بنارس فرماتے ہیں کہ:

مولانا بے مثال آدمی تھے، میں نے بہت سارے مولانا حضرات کو دیکھا، لیکن مولانا عبدالسلام رحمانی ؒ جیسا شخص نہیں دیکھا، ہم دوستوں کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے، کھاتے پیتے، باتوں بات میں کچھ غیر مناسب باتیں بھی ہوجاتیں، لیکن مولانا کبھی ناراض نہ ہوتے۔ ۵، ۶ سال ہم لوگوں کی رفاقت میں رہے، لیکن جب بھی ملتے ہنستے مسکراتے ملتے، یہ بہت بڑی خوبی ہے، رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: "لا تحقرن من المعروف شيئا ولو أن تلقى أخاك بوجه طليق" (صحیح مسلم) فرمایا کہ نیکی کے کسی بھی کام کو حقیر مت سمجھنا، اگرچہ تو اپنے (مسلمان) بھائی سے خندہ روئی کے ساتھ ملے (یعنی مسکراتے ہوئے ملنا بھی نیکی ہے)۔

بنارس میں جب تک رہے درس وتدریس اور دعوت وتبلیغ کا فریضہ انجام دیتے رہے، اور اپنی علمی استعداد وصلاحیت اور عمدہ اخلاق کی بدولت اعلی مراتب ومناصب پر فائز ہوئے، ان کی ترقی سے ہم دوستوں کو بڑی خوشی تھی، مختلف ملکوں کی سیر کی، دعوت وتبلیغ کا فریضہ انجام دیا۔ بالآخر ہم دوستوں کو سوگوار چھوڑ کر اس دنیا سے کوچ کرگئے۔ انا لله وانا اليه راجعون۔

اللہ تعالی ان پر اپنی رحمتوں کی بارش نازل فرمائے، ان کی نیکیوں کو قبول فرماتے ہوئے ان کا ٹھکانہ اعلی علیین میں بنائے، آمین۔

حاجی محمد صاحب

بازار سدانند، بنارس

اخبار جامعہ

جامعہ سلفیہ بنارس میں ششماہی امتحان وتعطیل:

جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس میں ششماہی امتحان بتاریخ ۱۳/دسمبر ۲۰۱۴ء بروز سنیچر شروع ہوا اور جمعرات ۲۵/دسمبر ۲۰۱۴ء کو ختم ہوا۔ امتحان کا وقت صبح ۸:۳۰ بجے تا ۱۱:۳۰ بجے متعین کیا گیا تھا۔ امتحان جامعہ کی مسجد، بالائی مسجد، تہ خانہ، دور ارضی اور دار الحدیث میں ہوا۔ اس امتحان میں جامعہ کے (۶۵۵) طلبہ کے علاوہ ملک میں پھیلے ہوئے اس کی (۲۲) شاخوں سے (۲۶۴) طلبہ بھی شریک امتحان ہوئے۔ امتحان کے بعد اتوار ۲۶/دسمبر ۲۰۱۴ء تا جمعرات ۱۵/جنوری ۲۰۱۵ء تعطیل کا اعلان کیا گیا۔

جامعہ سلفیہ بنارس میں تعلیم کا آغاز:

ششماہی امتحان کے بعد جامعہ سلفیہ بنارس میں ۱۷/جنوری ۲۰۱۵ء سنیچر سے دوبارہ باقاعدہ تعلیم کا آغاز ہوا۔ اساتذہ اور بیشتر طلبہ وقت پر حاضر ہوئے۔ اور جامعہ کے تمام شعبے مصروف عمل ہوگئے۔

تعلیمی اوقات میں تبدیلی:

سخت سردی کے پیش نظر جامعہ سلفیہ بنارس کے تعلیمی اوقات میں تبدیلی کی گئی۔ فی الحال تعلیم صبح ۸ بجے تا ۲ بجے جاری ہے۔ تعلیم کے یہ اوقات ۲۸/فروری ۲۰۱۵ء تک رہیں گے۔

یوم جمہوریہ کی تعطیل:

مورخہ ۲۶/جنوری ۲۰۱۵ء کو یوم جمہوریہ کی تعطیل کی وجہ سے جامعہ سلفیہ بنارس میں اسباق بند رہے، پرچم کشائی کی گئی اور اس موقع پر طلبۂ جامعہ نے ایک ثقافتی پروگرام کا انعقاد کیا، جس میں طلبہ واساتذۂ جامعہ نے شرکت کی۔ پروگرام کی صدارت جامعہ سلفیہ بنارس کے ناظم اعلی جناب مولانا عبداللہ سعود صاحب نے فرمائی۔ پروگرام کا آغاز عتیق الصمد/فضیلت سال دوم کی تلاوت سے ہوا۔ بعدہ ترانۂ ہند شکیل احمد اور ان کے رفقاء نے پیش کیا۔ اخلاق احمد/فضیلت ال دوم نے ''یوم جمہوریہ: ایک تعارف'' کے عنوان سے اپنا مقالہ پیش کیا اور عبدالالہ/فضیلت سال دوم کے پیش کردہ مقالہ کا عنوان ''آئین ہند اور مسلمان'' تھا۔ طلباء کے پروگرام کی آخری کڑی ''آزادیٔ ہند میں علمائے صادق پور کا کردار'' کے عنوان سے ایک ڈرامہ تھا، جس کے ہدایت کار عبداللہ تمجید عالم/فضیلت سال سوم تھے۔ محترم ناظم صاحب نے طلبہ کو مفید مشوروں سے نوازا، اور ان کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ پروگرام کی نظامت طارق اسعد اسعد اعظمی/فضیلت سال دوم نے انجام دی۔

(ادارہ محدث)

☆☆☆

عالم اسلام

ظل الرحمٰن سلفی رسنٹرل لائبریری

خادم حرمین شاہ عبداللہ بن عبدالعزیز کی وفات:

مملکت توحید سعودی عرب کے فرماں روا خادم الحرمین الشریفین شاہ عبداللہ بن عبدالعزیز ۹۱ سالہ عمر گراں مایہ گزار کر اس دار فانی سے دار بقا کو رحلت فرما گئے۔۲۳/جنوری ۲۰۱۵ء، جمعہ کی صبح (مقامی وقت کے مطابق رات ۱/بجے) آپ کی روح پرواز کرگئی۔ سرکاری ٹی وی چینل نے بتایا کہ وہ جمعرات اور جمعہ کی درمیانی شب ایک بجے اپنے معبود حقیقی سے جا ملے۔

شاہ عبداللہ بن عبدالعزیز کا شمار سعودی عرب کے ان حکمرانوں میں ہوتا ہے جن کے دور حکومت میں ملک نے تمام شعبہ ہائے زندگی میں غیر معمولی ترقی اور خوشحالی کے نئے باب رقم کیے۔شاہ عبداللہ کی کامیابیوں کا سلسلہ کسی ایک شعبے تک محدود نہیں۔ معیشت، تعلیم، صحت، سوشل ویلفیئر، نقل وحمل، مواصلات، صنعت، بجلی، پانی، زراعت، تعمیرات غرض تمام شعبہ ہائے حیات میں انہوں نے ماضی کی بہ نسبت سعودی عرب کو زیادہ ترقی یافتہ بنادیا۔آپ نہ صرف اپنے منصوبوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے مشہور تھے، بلکہ ان کی شہرت منصوبوں کو ان کے مقررہ وقت سے بھی قبل مکمل کرنے کے حوالے سے رہی۔

ان کے دور حکومت میں سعودی عرب میں تعلیم کے شعبے میں خوب ترقی ہوئی۔کم وبیش ۲۰/نئے جامعات قائم کیے گئے۔ درجنوں کی تعداد میں ٹیکنیکل اور میڈیکل کالجز کا قیام، شاہ عبداللہ سائنس وٹیکنالوجی یونیورسٹی، جازان، مدینہ منورہ، ہائل اور رابغ شہروں میں شاہ عبداللہ اکنامک سٹی کا قیام بھی انہیں کی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔

واضح ہو کہ شاہ عبداللہؒ کا ہندوستان اور ہندوستانی عوام سے حقیقی اور مخلصانہ لگاؤ تھا، وہ ذاتی طور پر ہندوستان کے ساتھ دو طرفہ تعلقات میں بہتری لانے کے لیے مصروف عمل تھے۔علاوہ ازیں ۲۰۰۶ء میں ہندوستان کے یوم جمہوریہ پر آپ یہاں مہمان خصوصی کی حیثیت سے تشریف لائے تھے۔آپ کی وفات پر حکومت ہند نے ایک روزہ قومی سوگ کا اعلان کیا۔اور نائب صدر جمہوریہ حامد انصاری کی معیت میں ایک وفد نے سعودی عرب جاکر تعزیت پیش کی۔ (الجریدۃ مدینہ وروزنامہ انقلاب)

عید میلادالنبی کی تقریبات: مفتی اعظم سعودی عرب:

سعودی عرب کے مفتی اعظم شیخ عبدالعزیز آل الشیخ نے نبی اکرم ﷺ کی یوم ولادت سے متعلق تقریبات کے حوالے سے کہا ہے کہ یہ تو ہم پرستی ہے، اور شریعت اسلامیہ کے منافی عمل ہے، انہوں نے مزید کہا کہ یہ ایک بدعت ہے جو اسلام کی پہلی تین صدیوں کے بعد سے شروع ہوئی ہے، تاہم مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ نبی اکرم کی تعلیمات اور اسوۂ حسنہ کی پیروی کریں، آپ نے یہ بھی کہا کہ نبی اکرم ﷺ سے سچی محبت یہ ہے کہ آپ ﷺ کی تعلیمات اور اسوۂ حسنہ کو اپنے لیے نصب العین بنالیا جائے، اور مسلمانوں پر فرض ہے کہ نبی کو اللہ کے بندے، اور رسول کے طور پر مانیں جس کو پوری انسانیت کے لیے ہدایت اور رہنمائی کا ذریعہ بنایا گیا۔اور انہیں چاہیے کہ نبی کی تعلیمات کی غلط تعبیر پیش کرنے والوں سے اسلام کا تحفظ کریں۔(قدرت نیوز:۳۰/۱/۲۰۱۵)

☆☆☆

باب الفتاوی

کیا فرماتے ہیں علماء دین، شرع متین مسائل ذیل کے بارے میں کہ:

(۱) زید بغیر ٹوپی کے نماز پڑھتا ہے اور اس نے اسے اپنا معمول بنالیا ہے کبھی بھی ٹوپی لگا کر نماز نہیں پڑھتا جب کبھی اس سے کہا جاتا ہے کہ ٹوپی کا اہتمام کیا کرو تو جواب دیتا ہے کہ میری نماز بغیر ٹوپی کے ہو جاتی ہے اس لئے میں ٹوپی نہیں لگاتا۔ اب سوال یہ ہے کہ بغیر ٹوپی کے نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟ اور ٹوپی لگانے کے جواز و عدم جواز کا کیا مسئلہ ہے، کتاب وسنت کی روشنی میں مدلل جواب عنایت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں

(۲) کچھ مصلیان کے دونوں پاؤں سجدے کی حالت میں زمین سے بلند ہوتے ہیں اور پورے سجدے کے درمیان کبھی بھی زمین سے نہیں لگتے۔ کیا ان کا سجدہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب بعون اللہ الوھاب وھو الموفق للصواب:

(۱) بلا شبہ ٹوپی کے بغیر نماز جائز و درست ہے کیونکہ ٹوپی پہننا نماز کی شرائط میں سے نہیں ہے اور نہ ہی یہ کوئی واجبی حکم ہے البتہ یہ ضرور ہے کہ ٹوپی پہن کر نماز پڑھنا افضل ہے کیونکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿يا بني آدم خذوا زينتكم عند كل مسجد﴾ (الاعراف:۳۱) یعنی اے اولاد آدم! تم مسجد کی ہر حاضری کے وقت زینت اختیار کرو۔

شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ مبارکپوری رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

''اس آیت سے ثابت ہوا کہ ٹوپی یا عمامہ وغیرہ کے ساتھ نماز پڑھنی اولی وافضل ہے، کیونکہ ٹوپی وعمامہ باعث زیب وزینت ہے اور نمازی کو اچھی ہیئت میں کھڑا ہونا چاہیے''۔ (فتاوی شیخ الحدیث:۱/۳۱۷)

اسی طرح نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "إذا صلى أحدكم فليلبس ثوبيه فإن الله تعالى أحق أن تزين له" (شرح معانی الآثار للطحاوی:۲/۲۲۱، الأوسط للطبرانی:۱/۲۸، السنن لکبری للبیہقی:۲/۲۳۶، وصححہ الألبانی فی صحیح الجامع الصغیر:۱/۱۷۳، والصحیحۃ (۱۳۶۹) وتمام المنۃ ص ۱۶۴)

یعنی جب تم میں سے کوئی نماز پڑھنے کا ارادہ کرے تو اسے چاہیے کہ اپنے دونوں کپڑوں کو زیب تن کرے، اس لیے کہ اللہ عز وجل سب سے زیادہ حقدار ہے کہ اس کے لیے نماز میں زیب وزینت اختیار کی جائے۔

اس آیت کریمہ اور حدیث شریف سے واضح طور پر ثابت ہوا کہ نمازی کو نماز میں زیب وزینت اپنانی چاہیے اور اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ ٹوپی زیب وزینت کی چیز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام اور تابعین عظام رضی اللہ عنہم نماز کی حالت میں ٹوپی اور پگڑی کا استعمال کرتے تھے، حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"كان القوم يسجدون على العمامة والقلنسوة ويداه في كمه" (صحیح بخاری مع الفتح:۱/۴۹۲، تعلیق

التعلیق :۲/ ۲۱۹،مصنف ابن ابی شیبہ:۲/ ۱۱۷، مصنف عبدالرزاق :۱/ ۱۶۳) یعنی صحابہ کرام وتابعین عظام اپنی اپنی پگڑیوں اور ٹوپیوں میں سجدہ کرتے تھے اوران کے ہاتھ ان کی آستینوں میں ہوتے تھے۔

حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کی بات سے بھی اس کی مزید تائید ہوتی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

"وكانوا يصلون في مساتقهم وبرانسهم وطيالسهم" (مصنف عبدالرزاق:۱/ ۱۶۳، کذا فی مصنف ابن ابی شیبہ) یعنی لوگ (صحابہ کرام) وتابعین ظام اپنی لمبی آستین کی پوستینوں، لمبی ٹوپیوں اور سبز رنگ کی چادروں میں نماز ادا کرتے تھے۔

اسی طرح ہمارے اسلاف کا بھی طرز عمل رہا ہے۔ اس کے لیے مصنف ابن ابی شیبہ ومصنف عبدالرزاق کا مطالعہ مناسب ہے، امام بخاری رحمہ اللہ اپنی صحیح میں لکھتے ہیں: "وضع أبو اسحاق قلنسوته في الصلاة ورفعها" (کتاب العمل فی الصلاۃ، باب استعانۃ الید فی الصلاۃ اذا کان من أمر الصلاۃ) یعنی ابواسحاق نے نماز ہی کی حالت میں اپنی ٹوپی رکھی اور اٹھائی۔ ابواسحاق تابعی ہیں، جن کو کئی صحابہ کرام سے شرف ملاقات حاصل ہے۔

مزید یہ کہ ٹوپی عمامہ کے قائم مقام یا مشابہ ہے اور متعدد حدیثوں سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ عمامہ (پگڑی) پہنا کرتے تھے چنانچہ مسلم شریف، ترمذی، ابوداود، نسائی اور ابن ماجہ میں اس معنی کی حدیثیں موجود ہیں۔ حضرت جعفر بن عمرو بن حریث اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ: "رأيت النبي ﷺ على المنبر وعليه عمامة سوداء قد أرخى طرفها بين كتفيه" (مسلم: الحج، باب جواز دخول مکۃ بغیر احرام، برقم: ۳۳۱۲) یعنی کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو منبر پر دیکھا اس حال میں کہ آپ ﷺ پر ایک سیاہ عمامہ تھا جس کے کنارے کو آپ ﷺ نے دونوں مونڈھوں کے درمیان لٹکا رکھا تھا اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: " ان رسول الله ﷺ دخل يوم فتح مكة وعليه عمامة سوداء" (مسلم: الحج، باب جواز دخول مکۃ بغیر احرام، برقم: ۳۳۱۰) نبی ﷺ جب مکہ میں داخل ہوئے تو آپ کے سر پر ایک سیاہ رنگ کا عمامہ تھا۔ پہلی حدیث میں نبی کریم ﷺ کے منبر پر اور دوسری حدیث میں دخول مکہ کے وقت عمامہ استعمال کرنے کا ذکر ہے۔ اور غالب گمان یہ ہے کہ آپ ﷺ نے نماز بھی عمامہ ہی پہن کر پڑھی ہوگی۔ اگرچہ حدیثوں میں اس کی صراحت نہیں ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ عمامہ یا ٹوپی لگا کر نماز پڑھنا افضل ہے لیکن اگر کوئی عمامہ یا ٹوپی لگائے بغیر ہی ننگے سر نماز پڑھتا ہے تو اس کی نماز جائز ودرست ہے۔ اس لیے کہ حدیث رسول ﷺ میں ہے: "لا يصلي أحدكم في الثوب الواحد ليس على عاتقيه منه شيء" (البخاری: الصلاۃ، باب إذا صلی فی الثوب الواحد فلیجعل علی عاتقیہ، برقم: ۳۵۹، ومسلم: الصلاۃ، باب الصلاۃ فی ثوب واحد وصفۃ لبسہ، برقم: ۵۱۶)

کوئی شخص ایک کپڑے میں اس طرح نماز نہ پڑھے کہ اس کے کندھے ننگے ہوں۔ ایک روایت کے اندر یہ الفاظ ہیں: "ان عمر بن أبي سلمة أخبره قال: رأيت رسول الله ﷺ يصلي في ثوب واحد مشتملا به في بيت أم سلمة واضعا طرفيه على عاتقيه" (البخاری: الصلاۃ، باب الصلاۃ فی الثوب الواحد ملتحفا بہ، برقم: ۳۵۶، مسلم: الصلاۃ، باب الصلاۃ

فی ثوب واحد وصفہ لبسہ، برقم: ۵۱۷)

عمر بن ابوسلمہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ام سلمہ کے گھر میں ایک ہی کپڑے میں لپٹے ہوئے نماز پڑھتے دیکھا، آپ اس کے دونوں کناروں کو اپنے کندھوں پر رکھے ہوئے تھے۔

ان دونوں حدیثوں سے یہ بات واضح ہوگئی کہ مرد کے لیے دوران نماز سر کا ڈھانپنا ضروری نہیں ہے، ورنہ آپ ﷺ کندھوں کے ساتھ سر کا بھی ذکر فرماتے۔ لہذا سر ڈھانپنے کی ترغیب تو دی جائے لیکن اگر کوئی نہیں ڈھانپتا تو اس کو ملامت نہ کیا جائے۔

(۲) اس سوال کے سلسلے میں واضح ہو کہ سجدہ کی حالت میں پیر کی انگلیوں کا زمین سے لگی رہنا ضروری ہے بلا کسی عذر شرعی کے اٹھائے رکھنے سے سجدہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس بارے میں جو احادیث ہیں ان سے وجوب کا پتا چلتا ہے چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: عن ابن عباس قال: قال رسول الله ﷺ: أمرت أن أسجد على سبعة أعظم: على الجبهة واليدين، والركبتين وأطراف القدمين" (البخاری: الأذان، باب السجود علی الأنف، برقم: ۸۱۲، ومسلم: الصلاۃ، باب أعضاء السجود والنهي عن كف الشعر والثوب وعقص الرأس فی الصلاۃ، برقم: ۱۰۹۸) یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اللہ کے رسول ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ ''اللہ نے مجھے سات چیزوں پر سجدہ کرنے کا حکم دیا ہے، ان سات چیزوں میں اطراف القدمین (انگلیوں) کا بھی ذکر ہے، یعنی انگلیوں کو قبلہ رخ کر کے زمین پر رکھ کر سجدہ کرنا واجب ہے، شیخ علامہ عبید اللہ رحمانی مبارک پوری - رحمہ اللہ - نے اپنی تصنیف ''مرعاۃ المفاتیح ۳/۲۰۴ میں فرمایا ہے کہ: "والحديث يدل على وجوب السجود على هذه الأعضاء السبعة جميعا" لأن الأمر للوجوب" یعنی ان ساتوں اعضاء کو زمین پر رکھ کر سجدہ کرنا واجب ہے کیونکہ حدیث میں مذکور صیغۂ امر وجوب کے لئے ہے۔ شیخ الحدیث مزید فرماتے ہیں کہ: "والراجح عندی ما ذهب إليه الأولون، وهو الأصح الذی رجحه الشافعی لحديث الباب" یعنی میرے نزدیک وجوب والا قول ہی راجح ہے جس کو امام شافعی نے حدیث کی روشنی میں راجح قرار دیا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ بلا عذر شرعی پیر کی انگلیوں کو اٹھا کر سجدہ کرنے سے سجدہ نہیں ہوگا۔ اور چونکہ نماز میں سجدہ رکن ہے۔ اس لیے نماز کی وہ رکعت باطل ہوگی جس میں سجدہ فوت ہوا ہو۔

والله أعلم بالصـــواب

دار الإفتاء

جامعہ سلفیہ (مرکزی دار العلوم) بنارس

☆☆☆